ماہنامہ

جنوری ۲۰۰۱ء

طلوعِ اسلام

لاہور

قرآنی نظامِ رُبوبیت کا پیامبر

عید الفطر

یعنی

جشن

نزول

قرآن

مبارک

Safety Sealers *for*

FULL PROTECTION

From Foundation to Roof Top

Dampcourse Sheeting 13″ & 9″ to BS 6398:83

Damp Wall Coating to ASTM D-2822

Sealocrete Waterproofing Powder & ADMIXTURES

Oxy Bit Range of Oxidised Bitumens

Roofing Felts to BSS & ASTM SPEC

Safetorch 3 to 5 MM Torch on Membranes

Joint Sealants for Buildings & Structure Water Retaining

Jet Fuel Resistant Sealing for Runways

**TAKE ADVANTAGE
OF OUR 39 YEARS
EXPERIENCE**

**COME TO THE
POINEERS OF
ROOFING**

SAFETY SEALERS (PVT) LTD.

Ist Floor Galaxy Shopping Centre, 115-Ferozepur Road, Lahore-Pakistan
Tel Office:417254-7573615
KARACHI OFFICE:2/13-A, Commercial Area, P.E.C.H.S.
Karachi-Pakistan Tel:4944059
QUETTA: 12 A Nursery Lines
Ph:836778

مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قُرآنی نظامِ ربُوبیّت کا پیامبر

CLASSIC
42-The Mall, Lahore.
Ph: 7312977 Fax: 7323963

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
15/-
روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵-بی گلبرگ ۲
لاہور-۵۴۶۶۰
ٹیلی فون: 5714546-5753666
idara@toluislam.com

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان -/170 روپے
غیر ممالک -/800 روپے

Bank Account Number 3082-7 National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

جلد 54
جنوری 2001ء
شمارہ نمبر 01

ایڈیٹر

محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

- ڈاکٹر صلاح الدین اکبر
- بشیر احمد عابد
- محترمہ شمیم انور

اکاؤنٹینٹ ---------- محمد زمرد بیگ

کمپوزر ---------- شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین ---------- ایاز حسین انصاری

ناظم ---------- اقبال ادریس

ناشر ---------- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیر

- عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
- ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
- محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ لاہور-فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
سوراجی اسلام	غلام احمد پرویز	7
لینار کُونی برداؤ سلام......!	بشیر احمد عابد	19
فرقہ واریت اور قرآن	علی محمد چدھڑ	24
اعتراف حقیقت	ایاز حسین انصاری	29
درود شریف کی غلط عبارت کی نشاندہی پر علماء حضرات کی تلملاہٹ	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	34
فقہ حنفی کی دفعہ وار تدوین	عبداللہ ثانی پشاور	37
سنت نبوی سے ذہنی امراض کا خاتمہ	ڈاکٹر منصور الرحمٰن پشاور	42
ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	مرتبہ بزم طلوع اسلام لندن	46
حقائق وعبر	ادارہ	50

ENGLISH

Two Nation Theory

By Ms.Shamim Anwar 56

Secularism

By Ms. Shamim Anwar 57

A Message

By Dr. Manzoor-ul-Haque 61

An Interview with G.A. Parwez On Islamic Authority and Rajim

By Michael O'Neill 64

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

انسانوں کے وضع کردہ نظریات و قوانین اس وقت تک باقی رہ سکتے ہیں جب تک انسانی ذہن اس سطح سے اونچا نہ ہو یا جب تک زمانے کے تقاضے نہ بدلیں۔ جب انسانی ذہن اس سطح سے بلند ہو جائے تو وہ ان تصورات پر کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا جو اس سے نچلی سطح کی پیداوار ہوں۔ اسی طرح جب کوئی قواعد و ضوابط زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہ دیں تو وہ کبھی آگے نہیں چل سکتے۔ بدلے ہوئے تقاضوں کے بعد، ایک آدھ نسل تو سابقہ تصورات و ضوابط کو کسی نہ کسی طرح نباہتی ہے، کیونکہ مدت العمر تک ساتھ آنے والے تصورات کو جلد چھوڑا نہیں جا سکتا۔ لیکن جب یہ تقاضے شدید ہو جائیں تو پھر کوئی طاقت انہیں ان کے ساتھ متمسک رہنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ ہمارے زمانے میں، ایک تو (سائنٹفک انکشافات و تحقیقات کی وجہ سے) انسانی ذہن کی سطح غیر معمولی رفتار سے بلند ہوتی جا رہی ہے۔ دوسرے (وسائل رسل و رسائل کے اس درجہ عام اور وسیع ہو جانے کے باعث) زمانے کے تقاضے بڑی سرعت سے بدلتے جا رہے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ ناممکن تھا کہ اس دور کا انسان ان تصورات پر مطمئن رہ سکتا جو اس کی ذہنی سطح سے کہیں پست تھے یا ان قواعد و ضوابط پر کاربند رہتا جو اس کے زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ یہ وجہ ہے کہ اس زمانے میں مذہب کی گرفت اس قدر ڈھیلی پڑ چکی ہے اور انسان اسے رفتہ رفتہ چھوڑتا چلا جا رہا ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ اس وقت مذہب کی گرفت صرف ان اقوام و ممالک میں ہے جہاں نہ علم کی روشنی عام ہوئی ہے اور نہ وہ دیگر اقوام عالم کے ہمدوش چل رہے ہیں اور اصل تو یہ ہے کہ یہ گرفت بھی کوئی دن کی مہمان ہے۔ اب دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملک ”تھرماس“ (Thermos) کے اندر رہ کر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ وہ باہر کی فضا سے، زود یا بدیر متاثر ہو کر رہتا ہے۔ اس لئے اب کسی ملک کے لئے یہ خیال کرنا کہ وہ زمانے کے تقاضوں سے غیر متاثر رہے گا، خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہٰذا اب اس دور کا آغاز ہو چکا ہے جس میں انسانوں کے خود ساختہ مذاہب ایک ایک کر کے مٹتے چلے جائیں گے۔ یہ ”برف کے بت“ سورج نکلنے کے بعد باقی رہ نہیں سکتے۔۔۔ پرتوِ خُور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم۔ مذہبی پیشوائیت اس صورت حالات سے بچنے کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہی ہے۔ پنڈت ہو یا گیانی۔ پادری ہو یا مولوی، سب اس سے بچنے کے لئے اپنی اپنی جگہ بری

طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ان کا یہ جذبہ ہے بھی قابل فہم۔ ان کی روٹی اور اقتدار دونوں مذہب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ صدیوں سے اس "جاگیر" کے واحد مالک چلے آ رہے ہیں۔ وہ کون ہے جو ایسی جاگیر کو آسانی سے چھوڑ سکتا ہے؟ لیکن ان کے اس طرح ہاتھ پاؤں مارنے سے کیا ہوتا ہے؟ ان کے پاس تو صرف "روحانی قوت" ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے شاہنشاہ، جن کے پاس اتنی اتنی بڑی افواج قاہرہ تھیں، وہ اپنے آپ کو زمانے کے تقاضوں سے نہ بچا سکے۔ آپ دیکھئے کہ کتنے "تاج" ہیں جو گذشتہ چند عشروں میں فضا کی پہنائیوں میں اڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ زمانے کے دھارے کے سامنے جب ان کی کوئی پیش نہ چلی تو "روحانی قوتیں" اس کا رخ کس طرح موڑ سکتی ہیں؟

یہ ہیں وہ حالات جن میں انسانوں کا خود ساختہ مذہب، اب زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتا۔ مذہب کے محافظ ان حالات کا ٹھنڈے دل سے جائزہ نہیں لیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس قابل ہیں بھی نہیں کہ حالات کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لے سکیں۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اولاً یہ کہ ان میں غور و فکر کی صلاحیت ہی نہیں۔ انہیں صدیوں سے یہ سکھایا جا رہا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں غور و فکر حرام ہے جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے اسے عین حق و صداقت سمجھ کر، اسی طرح قائم رکھنا اور آگے بڑھا دینا، سب سے بڑی خدمت ہے۔ انہیں پڑھایا یہ جاتا ہے کہ

کار استدلالیاں چوبیں بود
کار چوبیں سخت بے تمکیں بود

دوسرے یہ کہ جب کسی کو نظر آ رہا ہو کہ اس کی وہ متاع گراں بہا جس پر اس کی زندگی اور عیش سامانیوں کا مدار ہے، اس سے چھن رہی ہے، تو اس کا دماغ مختل ہو جاتا ہے۔ اس کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں (اسی کا نام غصہ ہے) جس سے اس کے رہے سہے حواس بھی گم ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ اس بات کی جرات اپنے اندر نہیں پاتا کہ جس چیز کو وہ دنیا کے سامنے عین حق و صداقت کہہ کر پیش کر رہا تھا، اس کے متعلق یہ اعتراف کر لے کہ وہ بے بنیاد تھی اور زمانے کے تقاضوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔ اس اعتراف کے لئے بہت بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ہر مذہب کے پیشوا (اور ان کی دیکھا دیکھی، ان کے متبعین) دوسرے مذاہب کے متعلق تو یہ کہیں گے کہ وہ اس لئے مٹ رہے ہیں کہ ان میں زمانے کے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ لیکن اپنے مذہب کے متعلق کبھی یہ بات نہیں کہیں گے۔ اس کے متعلق وہ ہمیشہ "کفر و الحاد کی مخالفانہ کوششوں" کو مورد الزام قرار دیں گے۔ لیکن ان کی اس خود فریبی یا ابلہ فریبی سے حقائق اپنا رخ نہیں بدل سکتے۔ حقائق کسی کی خاطر بھی اپنا رخ نہیں بدلا کرتے۔۔۔۔۔ سورج اپنے وقت پر طلوع ہو کر رہتا ہے خواہ اس کی روشنی چمگاڈروں پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گذرے۔۔۔۔ مذہب ہمیشہ جہالت اور تاریکیوں میں پرورش پاتا اور اندھی تقلید کے سہارے آگے چلتا ہے۔ علم و بصیرت کی روشنی کے سامنے یہ ٹھہر نہیں سکتا۔ حقائق کا مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔

لیکن جو اسباب اور حالات انسانوں کے خود ساختہ مذہب کی موت کا باعث بنتے ہیں، وہی خدا کے عطا فرمودہ دین کی تقویت کا موجب ہوتے ہیں۔ علم و بصیرت کی روشنی مذہب کے لئے پیغام مرگ ہوتی ہے، لیکن دین اسی روشنی میں بڑھتا،

پھولتا اور پھلتا ہے۔ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضے' مذہب کے لئے سیلاب بلا ہوتے ہیں لیکن دین ان تقاضوں کی امامت کرتا ہے۔ اس لئے جو دور مذہب کے لئے نامساعد ہوتا ہے' وہ دین کے لئے بڑا سازگار ہوتا ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ مذہب کا کوچ' دین کی آمد کی علامت اور تمہید ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "الا اللہ" سے پہلے "لا الٰہ" ضروری ہے۔ یعنی جب تک انسانی ذہن کے تراشیدہ ہر تصور اور صاحب اقتدار کو دل سے الگ نہ کیا جائے' خدا کا صحیح تصور اور دین' قلب کی گہرائیوں میں اتر نہیں سکتا۔ "الدین" کے راستے میں سب سے بڑی روک "مذہب" ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے حضرات انبیاء کرامؑ کی دعوت کی سرگزشت میں مذہب پرست طبقہ کی طرف سے مخالفت کا ذکر مسلسل کیا ہے۔ مذہب پرست طبقہ "الدین" کے قبول کرنے میں سب سے پیچھے رہتا ہے بلکہ بیشتر اس سے محروم ہی رہتا ہے۔ خود نبی اکرمؐ کی انقلابی دعوت کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے۔ اس کی سب سے زیادہ مخالفت "اہل کتاب" کی طرف سے ہوئی۔ عرب کے غیر اہل کتاب قبائل ابتدائی مخالفت کے بعد' رفتہ رفتہ اسلام لاتے چلے گئے۔ لیکن اہل کتاب کی مخالفت آخر تک رہی تاآنکہ انہیں (یہودیوں کو) ملک بدر کرنا پڑا۔ لہٰذا الدین کے تمکن کے لئے' مذہب کا مٹنا از بس ضروری ہے۔ اگر تمکن دین کے حامی' اسے (مذہب) کو) اپنی قوت بازو سے مٹا دیں تو دین کا تمکن جلدی عمل میں آجاتا ہے (جیسا کہ عہد محمد رسولؐ اللہ والذین معہ' میں ہوا)۔ اگر ایسا نہ ہو تو زمانے کے تقاضے رفتہ رفتہ مذہب کو مٹا دیتے ہیں (جیسا کہ اب ہمارے زمانے میں ہو رہا ہے)۔

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ اگر ہمارے زمانے میں' دنیا میں مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے تو یہ چیز اہل مذہب کے لئے پریشانی اور سخت پریشانی کا موجب ہے (اور ہونی چاہئے) لیکن الدین کا تمکن چاہنے والوں کے لئے یہ بات باعث اطمینان اور وجہ مسرت ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی

وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ

یہ ڈوبتے تارے یہ فسردہ سا رخ ماہ
آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی

لیکن مذہب' اس تقدیر مبرم اور مرگ مفاجات سے بچنے کے لئے جو عجیب و غریب حربے استعمال کرتا ہے ان میں سب سے بڑا اور پر فریب حربہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو "دین" کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ دنیا میں کسی مذہب کے پیشوا بھی یہ نہیں کہتے کہ ان کا مذہب انسانوں کا خود ساختہ ہے۔ ان کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ ان کا مذہب خالص دین خداوندی ہے۔ وہ مذہب اور دین کو مرادف المعنی قرار دیتے ہیں۔ سطح بین لوگ آسانی سے اس دھوکے میں آجاتے ہیں۔ خود پاکستان میں "اقامت دین" کے نام سے جو تحریکیں چلائی گئی ہیں' وہ اس پرکاری کی بین شہادت ہیں۔ ان سے مقصود خالصتہً مذہب کا تحفظ اور مفاد پیشوائیت کا استحکام ہے لیکن انہیں پیش مذہب کے نام سے نہیں بلکہ دین کے نام سے کیا جاتا ہے۔ جھوٹ کا سب سے بڑا حربہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سچ کے نقاب میں سامنے آتا ہے۔ (اگر جھوٹا یہ کہہ دے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سراسر جھوٹ ہے تو وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا)۔ آج کل آپ نے دیکھا ہو گا کہ "مذہب' کی جگہ "دین" کا لفظ

کتنی تیزی سے پھیلایا جا رہا ہے۔ اس سے یہی مقصود ہے۔ اس کے لئے یہاں سے وہاں تک بھاگ دوڑ کی جاتی ہے، جگہ جگہ خطرے کی گھنٹی بجائی جاتی ہے۔ مذہب کے تحفظ کے لئے منظم کوششیں کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ ان سب پر جن کا پیشہ مذہب ہے متحدہ محاذ بنانے کی اہمیت واضح کی جاتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ "مذہب کے استحکام" کے نام سے نہیں بلکہ "اقامت دین" کے نام سے کیا جاتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ بعض لوگ مذہب کا تحفظ بڑی نیک نیتی سے چاہتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے۔ لیکن کسی کا نیک نیت ہونا اس کے مسلک کی سچائی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اگر کالی دیوی کا پجاری نہایت نیک نیتی سے دیوی کے بت کے تحفظ میں اپنی جان دے دے تو اس کا یہ عمل اس کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اس کا مسلک بت پرستی حق و صداقت پر مبنی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو گا کہ اس کی پہچان کیا ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ دین نہیں، مذہب ہے؟ یہ سوال بڑا اہم ہے۔ لیکن اس کا جواب بڑا آسان ہے۔ "الدین" قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اور اس کے باہر جو کچھ ہے وہ مذہب ہے۔ جو بات قرآن کریم کی سند سے پیش کی جائے گی وہ الدین کی بات ہو گی۔ جو اس سند کے بغیر ہو گی، وہ مذہب سے متعلق ہو گی۔ دیگر اہل مذاہب کے پاس خدا کی کتاب (جو کبھی ان کے دین کی بنیاد بنی تھی) کہیں موجود نہیں۔ اس لئے ان کے ہاں مذہب اور دین میں امتیاز ہو نہیں سکتا۔ لیکن ہمارے ہاں اس قسم کی کوئی دشواری نہیں۔ یہ جو اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ صاحب! قرآن کی تعبیرات میں اختلاف ہے، وہ مجمل ہے، نامکمل ہے، مبہم ہے۔ یہ سب مذہب پرست طبقہ کے پیدا کردہ ہیں تاکہ لوگ دین کی طرف سے مایوس (یا کم از کم پریشان ہو کر) مذہب کے ساتھ چمٹے رہیں۔ لیکن یہ ان کی حرکت مذبوحی یا رقص بسمل ہے۔ اب اس قسم کی باتوں سے مذہب کا استحکام ممکن نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، مذہب زمانے تقاضوں کے ہاتھوں مٹ رہا ہے۔ ان تقاضوں کے سیلاب کو خس و خاشاک کے بند سے نہیں روکا جا سکتا۔ مذہب کو مٹنا ہے۔ یہ مٹ کر رہے گا۔ اس لئے کہ **ان الباطل کان زھوقا**۔ اس کی تعمیر میں تخریب مضمر ہے۔

الدین کے تمکن کی آرزو دل میں رکھنے والوں کے لئے یہ وقت بڑا نازک ہے۔ ان کے لئے یہ مرحلہ کڑے امتحان کا ہے۔ جو لوگ مذہب سے برگشتہ ہو رہے ہیں اگر ان کے سامنے خدا کا خالص دین پیش کر دیا جائے تو وہ مذہب کو چھوڑ کر الدین اختیار کر لیں گے۔ یہ انقلاب کتنی بڑی خوشگواریوں کا موجب ہو گا اس کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر ایسا نہیں کیا گیا تو مذہب گزیدہ طبقہ ناقہ بے زمام کی طرح آوارہ ہو جائے گا۔۔۔۔ اور آوارہ انسانیت جس قدر تباہیوں اور بربادیوں کا موجب بن سکتی ہے اس کی تھوڑی سی جھلک گذشتہ دو عالمگیر لڑائیوں میں دیکھی جا چکی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان "آوارہ انسانوں" نے بالآخر الدین کی طرف آنا ہے کیونکہ اس کے بغیر انسانیت کے لئے نجات و سعادت کی کوئی اور راہ نہیں۔ لیکن ان کے الدین تک آتے آتے، دنیا جن تباہیوں کی نذر ہو جائے گی اس کا تصور ہر دیدہ عبرت کو خونفشاں بنا دینے کے لئے کافی ہے۔

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(غلام احمد پرویز)

سوراجی اسلام

ملت پاکستانیہ کی سب سے بڑی حرماں نصیبی یہ ہے کہ تحریک پاکستان کی کوئی ایسی قابلِ اعتماد تاریخ مرتب نہیں ہوئی جس میں بتایا گیا ہو کہ مطالبہ پاکستان کے حقیقی محرکات کیا تھے اور اس خطہ زمین کو حاصل کیوں کیا گیا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ہماری نئی نسل کے دل میں آہستہ آہستہ یہ خیالات ابھر رہے ہیں' یا ابھارے جا رہے ہیں کہ اس مطالبہ کے محرکات سیاسی اور معاشی تقاضے تھے اور چونکہ یہ تقاضے حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہمیں سوچنا چاہئے کہ تقسیم ہند ہمارے لئے مفید بھی تھی یا نہیں۔ مطالبہ پاکستان کا بنیادی محرکہ نہ سیاسی تھا نہ معاشی۔ یہ خالص دینی تقاضا تھا۔ اس کی سرگزشت طلوع اسلام کے اس دور کے فائلوں میں محفوظ ہے' لیکن یہ فائلیں بھی یہاں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ہیں۔ قارئین طلوع اسلام کی طرف سے اکثر یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اگر تحریک پاکستان کی اس قسم کی تاریخ مرتب ہونے کا امکان نہیں' تو کم از کم' اتنا ہی کیا جائے کہ اس دور کے طلوع اسلام میں شائع شدہ اہم مضامین کو حالیہ طلوع اسلام میں شائع کر دیا جائے۔ اس سے اس تحریک کی تفصیل نہیں تو بنیادی تصور تو سامنے آجائے گا۔ ہمیں اس سے اتفاق تھا' لیکن طلوع اسلام کی تنگ دامانی اس تقاضے کو پورا کرنے کے راستے میں حائل رہی۔ اب ہم نے محسوس کیا ہے کہ اس سلسلہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے اور جب بھی گنجائش ہو' انہیں شائع کرتے جانا چاہئے۔ چنانچہ اشاعت حاضرہ سے اس کا آغاز کیا جاتا ہے۔

طلوع اسلام بابت جون 1938ء میں پرویز صاحب کا وہ معرکہ آراء مقالہ شائع ہوا جس کا عنوان تھا "سوراجی اسلام"۔ اس مقالہ نے (جس کی عام اشاعت پمفلٹ کی صورت میں بھی کی گئی تھی) ملک کی فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا جس سے متاثر ہو کر نیشنلسٹ مسلمانوں کی کثیر تعداد' مطالبہ پاکستان کی ہم نوا ہو گئی تھی۔ ہم اس سلسلہ کی ابتداء اس مقالہ سے کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔۔ "سوراجی اسلام"۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب کانگریس کے دستور اساسی میں یہ بات موجود ہے کہ سوراج حاصل ہونے کے بعد ہندوستان کی مختلف اقوام کی مذہبی آزادی برقرار رکھی جائے گی تو پھر مسلمان اپنے مذہب کے تحفظ کے لئے اور کیا ضمانت چاہتے ہیں۔ یہ دلیل ایسی نظر فریب اور خوش آئند ہے کہ اچھے اچھے سمجھ دار اس کے دام تزویر میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور عوام جو بالکل سطح بین ہوتے ہیں' ان کے پاس تو اس کا جواب ہی کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن آیئے ذرا دیکھیں کہ قرائن سے جو کچھ پتہ چلتا ہے اس کی رو سے سوراج حاصل ہونے کے بعد جس مذہب کی آزادی مسلمانوں کو حاصل ہو گی وہ کون سا مذہب ہو گا۔ کیا وہ اسلام ہی ہو گا یا کسی اور چیز کا نام اسلام رکھ دیا جائے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سوراج کے بعد ہندوستان کی "متحدہ قومیت" کا نظام حکومت جمہوری ہو گا اور اس متحدہ قوم کی تقدیروں کے مالک مختلف

خیالات کے نمائندوں کی جماعت کے افراد ہوں گے جن کی کثرت آراء سے تمام معاملات کا فیصلہ ہوا کرے گا اور جو معاملہ اکثریت کی رائے سے طے پا جائے گا وہ ملک کا قانون بن جائے گا جس کی خلاف ورزی جرم ہو گی۔ لہذا ہمیں دیکھنا یہ چاہئے کہ مختلف سیاسی معتقدات کی وہ جماعتیں جن کے ہاتھ میں زمام حکومت ہو گی' مذہب سے مفہوم کیا لیتی ہیں۔ اس لئے کہ جب مذہبی آزادی یا مذہبی معاملات میں دخل اندازی کا سوال پیدا ہو گا تو سب سے پہلے تو یہ ہی سوال اٹھے گا کہ وہ مذہب جس کی آزادی کا حکومت نے وعدہ کیا ہوا ہے' اس کی تعریف کیا ہے۔ کون کون سے معاملات مذہب کی حدود کے اندر ہیں اور کون سے اس کے باہر۔

سب سے پہلے قدامت پسند ہندوؤں کی اس جماعت کو لیجئے جس کے نمائندے مہاتما گاندھی ہیں۔ ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ جماعت اپنے اس اعلان میں مخلص ہے کہ سوراج کے بعد مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ اس جماعت کے نزدیک مذہب نام ہے چند رسومات کا اور چند عبادات کا اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ عقائد یا عبادات میں بھی کسی کا اشتراک یا اتحاد ہو۔ ایک فرقہ کرشن بھگت ہے اور دوسرا رام اوپاسک۔ سناتن دھرم والے مورتی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن آریہ سماج والے مورتی کھنڈن (بت شکنی) کے قائل ہیں۔ ویدانت کے قائل' مادہ کو مایا (سراب) سمجھتے ہیں۔ اور آریہ سماج روح اور مادہ دونوں کو ازلی اور ابدی مانتے ہیں۔ بنگال کے ہندو کالی ماتا کی پوجا کرتے ہیں اور ستیارتھ پرکاش اس دیوی کو ڈائن قرار دیتی ہے۔ سناتن دھرمی ورنوں کی تقسیم پیدائش کے لحاظ سے کرتے ہیں اس لئے اچھوت ان کے نزدیک پیدائشی اچھوت ہیں۔ لیکن آج خود مہاتما جی اس بات کے لئے پران تیاگنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ اچھوت کو اچھوت کیوں سمجھا جاتا ہے۔ ان تمام اختلافات کے باوجود یہ سب ہندو ہیں اور ان میں سے کوئی بات بھی ہندو دھرم کے خلاف نہیں۔ حتیٰ کہ پنڈت جواہر لال نہرو' جو ناستک ہیں' خدا کے بھی منکر ہیں' وہ بھی ہندو ہیں۔ وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات (میری کہانی) میں علانیہ اس امر کی شکایت کرتے ہیں کہ میں نے ہندو دھرم کی ایک ایک بات کو چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ خدا کا بھی انکار کر دیا۔ لیکن ہندو دھرم پھر بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ بلکہ مجھے ابھی تک برہمن قرار دیئے جاتا ہے۔ بدھ مت اور جین مت ایسے مذاہب ہیں جن کو دوسرے ہندوؤں کے مذہب سے قطعاً" کوئی واسطہ نہیں۔ وہ خدا کے قائل نہیں۔ ویدوں کو نہیں مانتے۔ ان کی اپنی کتابیں الگ ہیں۔ ہندو دھرم بدھ مت کو اس قدر "غیر ہندو" سمجھتا تھا کہ یہاں کے ہندوؤں نے تمام بدھوں کو ایک ایک کر کے برما۔ چین۔ تبت اور جاپان کی طرف نکال دیا۔ لیکن اب پھر بدھ مت اور جین مت کو ہندو دھرم کے دائرے کے اندر لیا جاتا ہے۔ اس لئے اس جماعت کے نزدیک تو مذہب محض کسی ایسے ذہنی نظریہ کا نام ہے جس کی کوئی تعریف ہی نہیں کی جا سکتی۔ باقی رہے معاشرتی' معاشی' سیاسی معاملات تو وہ مذہب کے احاطہ سے باہر ہیں۔ ان کا حل ارباب سیاست کے ذمہ ہے۔ مذہب سے متعلق یہی نظریہ انگریزوں کے سامنے ہے۔ ان کے نزدیک بھی کلیسا اور سلطنت دو الگ الگ شعبے ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کے منشور کی رو سے آج بھی مسلمانوں کو مذہبی معاملات میں "کامل آزادی" حاصل ہے اور حکومت مذہبی معاملات میں دخل انداز نہیں ہوتی۔ لیکن یہ مذہب ہے کیا جو حکومت کی مداخلت سے باہر ہے۔ وہی چند رسومات اور عبادات۔ آپ دن رات قرآن کریم کا درس دیتے رہئے کوئی مزاحم نہیں ہو گا۔ لیکن اگر کسی آیت کی تفسیر حکومت وقت کے قانون سے ٹکرا جائے تو اس مذہبی آزادی کا جو حشر ہوتا ہے اس کا حال مقدمہ

کراچی کے اسیران اور مالٹا کے نظر بندوں سے پوچھئے۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی تلاوت تو مذہب میں داخل ہے لیکن ملکی اور سیاسی معاملات میں آپ کو ملک کے قانون کے تحت رہنا ہو گا۔ مذہب "ثواب" حاصل کرنے کے لئے ہے۔ نہ کہ زندگی کے معاملات کا عملی حل تلاش کرنے کے لئے۔ اب آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ اس نظریہ کے ماتحت آپ کو جس قسم کی "مذہبی آزادی" حاصل ہو گی وہ آج کی "غلامی" سے کتنی بہتر ہو گی۔

قدامت پرستوں کی دوسری جماعت وہ ہے جس کی نمائندگی کا شرف ہندو مہاسبھا کو حاصل ہے اور یہ ہی وہ جماعت ہے جس کی ملک میں اکثریت ہے۔ کچھ عرصہ ہوا' ان کی اکثریت میں کچھ شبہ ہونے لگا تھا جب اچھوتوں نے تقاضا کیا تھا کہ ہمیں جداگانہ نیابت حاصل ہونی چاہئے۔ اس وقت ان "مظلوموں" کی ہمدردی کے جذبہ نے جوش کھایا۔ بڑے بڑے مہاتما منش ہندوؤں نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ پونہ میں پران تیاگ برت رکھے گئے۔ بڑے بڑے اونچے گوت کے ہندوؤں نے اپنے آپ کو ہریجن کہلانا شروع کر دیا اور اس مظلوم طبقہ کی زبوں حالی کے احساس نے اس وقت تک چین نہ لینے دیا جب تک یہ یقین نہ ہو گیا کہ ہندو مہاسبھا کی اکثریت خطرے میں نہیں رہی۔ مہاتما جی نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ اب زندگی کا مقصد اسی اکثریت کے تحفظ کو قرار دے لیا ہے۔ اس طبقہ کے جو خیالات مسلمانوں کے مذاہب سے متعلق ہیں اس کے لئے دیوتا سروپ بھائی پر مانند۔ ڈاکٹر مونجے اور مسٹر ساورکر کے شبھ نام کافی ہیں۔ ان کی وہ آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف ان کے سینوں میں موجزن ہیں ان کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

ملکی اور مذہبی نقطہ خیال سے مسلمانوں کو ویدک دھرم اور ویدک تہذیب کے نزدیک لانا از حد ضروری ہے۔ جب تک مسلمان سرزمین حجاز کے عاشق ہیں' عرب کی سرزمین اور کھجوروں پر جاں نثار کرتے ہیں اور کوثر کو گنگا پر ترجیح دیتے ہیں' وہ ہندوستان سے محبت نہیں کر سکتے۔ اس ملک میں ایک قوم پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ہم ویدک دھرم کا پیام جلد از جلد ان تک پہنچائیں۔ (آریہ مسافر۔ 5 مارچ 1938ء)

اس قسم کی باتوں کے جواب میں مسلمانوں کو یہ کہہ کر فریب دیدیا جاتا ہے کہ یہ ہندوؤں کے متشدد' کٹر' متعصب مہاسبھائیوں کے خیالات ہیں۔ کانگرسی ہندوؤں کے ایسے خیالات نہیں۔ سو اول تو یہ چیز ہی محل نظر ہے کہ ایک کانگرسی ہندو کے مسلمانوں کے متعلق یہ خیالات نہیں ہوتے۔ جہاں تک اسلام سے متصادم ہونے کا تعلق ہے' ہندو' ہندو ہی ہے خواہ وہ کانگرسی ہو' خواہ مہاسبھائی۔ بلکہ یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے جو ہندو عیسائی ہو جاتا ہے' جب عیسائی اور ہندو کا مقابلہ ہوتا ہے تو وہ عیسائی ہوتا ہے۔ لیکن جب ہندو اور مسلمان کا مقابلہ ہوتا ہے تو وہ یکسر ہندو ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر کبھی خوش نہیں ہو سکتا۔ فرمایا۔ اے پیروان دعوت ایمانی (**یایھا الذین امنوا**) ایسا نہ کرو کہ تم اپنوں کے سوا (من دونکم) کسی دوسرے کو اپنا ہمراز و معتمد بناؤ۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں کمی کرنے والے نہیں۔ جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے وہی انہیں پسندیدہ ہے۔ ان کی دشمنی تو ان کی باتوں ہی سے ظاہر ہے لیکن جو کچھ دلوں میں چھپا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو ہم نے فہم و بصیرت کی نشانیاں تم پر واضح کر دیں۔ (ترجمہ از مولانا ابوالکلام۔ ترجمان القرآن جلد نمبر1 ص 305)

یعنی قرآن کریم نے خود غیر مسلموں کی ہر دو جماعتوں کی تفریق کر دی۔ ایک وہ جن کی اسلام سے دشمنی ان کی

باتوں سے ظاہر ہو جاتی ہے اور دوسرے وہ جو بات کہنے میں محتاط رہتے ہیں۔ لیکن جو کچھ ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے جو ظاہر ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے (من دونکم) سے صاف طور پر ظاہر فرما دیا ہے کہ اسلام کے ساتھ دشمنی میں سب غیر مسلم شامل ہیں اور ان کے ساتھ راز اور اعتماد کے تعلقات قطعاً" جائز نہیں۔ لہٰذا' یہ کہنا کہ "کانگرسی ہندو" مسلمانوں کا دشمن نہیں ہے۔ "مہاسبھائی ہندو" دشمن ہے' نہ صرف خود فریبی ہے بلکہ قرآن کریم کی کھلی ہوئی تکذیب بھی ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہندوؤں میں اکثریت کن کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اکثریت مہاسبھائیوں کی ہے' اور چونکہ جمہوری نظام میں فیصلے اکثریت کی مرضی کے مطابق ہوا کرتے ہیں لہٰذا یہ واضح ہے کہ اس قسم کی اکثریت کے ماتحت مسلمانوں کو کس قسم کے مذہب کی آزادی حاصل ہو گی۔ اکثریت کی تو آج بھی یہ حالت ہے کہ سناتنی بچارے لاکھ چلا رہے ہیں کہ ساروا ایکٹ ہمارے دھرم کے خلاف ہے' کوئی ایک نہیں سنتا۔ وہ چیخ رہے ہیں کہ اچھوتوں کے لئے مندروں کے دروازے کھول دینا ہندو دھرم کو اپوتر کر دینا ہے۔ لیکن سیاست کی مصلحت کوشیاں اکثریت کے کان بند کئے ہوئے ہیں۔ حکومت بمبئی نے اعلان کر دیا ہے کہ پونا کے ہوٹلوں میں اچھوتوں کو بھی رہنے کی اجازت ہے۔ اس پر وہاں کے ہوٹل والے شور مچا رہے ہیں کہ اونچی ذات کے ہندوؤں نے ہمارا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ ہمارا کاروبار تباہ ہو رہا ہے۔ لیکن وہاں کانگرسی حکومت اس کی پرواہ نہیں کر رہی۔ جب ان کی خود اپنے ہاں یہ حالت ہے کہ مہاسبھائیوں کی اکثریت سناتن دھرمیوں کے مذہبی احساسات کی کچھ پروا نہیں کرتی تو یہ ہی اکثریت "ملیکش" مسلمانوں کے مذہب کا جس قدر پاس کرے گی ظاہر ہے۔

اب اس جماعت کو لیجئے جو روشن خیال جدت پسند (Advanced) طبقہ کہلاتا ہے اور جس کی قیادت پنڈت جواہر لال نہرو کو حاصل ہے۔ یہ اشتراکی خیالات کے حامی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اشتراکیت میں خدا اور آخرت پر ایمان کے عقیدہ کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ روس میں اسلام ہی کا نہیں بلکہ خود عیسائیت کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ ہمارا نوجوان طبقہ جو ان خیالات سے متاثر کیا جا رہا ہے' ایمانیات سے اس کا استہزاء خود بتا رہا ہے کہ مذہب کے متعلق ان کا زاویہ نگاہ کیا ہے۔ پنڈت جی اور ان کے رفقاء کار کی یہ کوشش ہے کہ اشتراکیت آنے والے ہندوستان کا سیاسی مذہب بن جائے۔ اس نظریہ کی عملی اشاعت میں بعض سیاسی مصالح ابھی ان کے راستہ میں حائل ہیں۔ لیکن بایں ہمہ جس سرعت کے ساتھ اس کو عام کیا جا رہا ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اسلام خود سرمایہ داری کا دشمن اور "اشتراکیت" کا حامی ہے' لیکن اس اشتراکیت کا نہیں جس کی تخلیق روس کے انقلاب پسند طبقہ کے اس انتقامی جذبہ کی رہین منت ہے جو زار کی حکومت کے خلاف اس کے دل میں موجزن تھا اور جس کا اصول صرف یہ تھا کہ ہر وہ چیز جو زار کے وقت میں دنیا میں موجود تھی' تباہ کر دینے کے لائق ہے۔ یہ ہی وہ اشتراکیت ہے جو ہندوستان کے انقلاب پسند طبقہ میں مقبولیت حاصل کر رہی ہے اور جو محض روس کی نقالی ہے۔ غلام نژاد قوم ہمیشہ مقلد ہوا کرتی ہے۔ طواف اندر سرشت برہمن است۔ رسالہ کلیم (یہ رسالہ جوش ملیح آبادی کا تھا) اس مسلک کی نشرواشاعت میں بڑا سرگرم رہتا ہے کہ اس سے نوجوانوں میں مقبولیت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ اس کا شاید ہی کوئی پرچہ ایسا ہو جس میں خدا اور آخرت پر ایمان کی تضحیک نہ کی جاتی ہو۔ مثلاً مارچ 1938ء کے پرچہ میں ناظر کے نام سے ایک مضمون چھپا ہے جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

خدا کے تصور کی ابتداء انسان کے اس دور سے شروع ہوئی جب کہ ذہن انسانی عالم طفولیت میں تھا۔ وہ فطرت کے عظیم الشان مظاہرہ کی توجیہہ نہ کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ ان کو فوق العباد ہستی سے منسوب کر دے۔۔۔ مذہب کا توہم پرستی کے ساتھ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ آج تک بھی جہاں جہاں جہالت زیادہ ہے اور علم کی روشنی کم ہے وہاں مذہب کا دور دورہ ہے۔ مذہب ایک غیبی چیز ہے اور غیبی چیزوں کو تاریکی میں زیادہ فروغ ہوتا ہے۔

اس کے بعد حیات بعد الممات کے عقیدہ کی مخالفت کی گئی ہے۔ اخیر میں رقم طراز ہیں کہ

"ہندوستان چونکہ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن میں بہت پیچھے ہے اس لئے یہاں فی الحال مذہب کو رہنے دیا جائے۔ لیکن مذہب کو اجتماعی حیثیت نہ دی جائے۔ اس کو خالص شخصی یا انفرادی چیز سمجھنا چاہئے۔ اس طرح اس کی پبلک حیثیت رفع ہو کر خالص پرائیویٹ یا نجی حیثیت باقی رہے گی۔"

یعنی ملک کا جدت پسند طبقہ جس مذہب کی "فی الحال" آزادی پر رضا مند ہو سکتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے۔ اسے عملی، اجتماعی اور معاملات کی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں۔ پچھلے دنوں جب مسٹر بوس نے اعلان کیا کہ "میں سب کچھ مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر تیار ہوں بشرطیکہ وہ کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریہ کو تسلیم کر لیں"۔ تو اس کی وضاحت کے لئے ٹریبون نے اپنی 17 جون 38ء کی اشاعت میں مقالہ افتاحیہ لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ :-

بس ایک شرط کے ماتحت۔ طول و عرض ملک میں کوئی ایک کانگرسی بھی ایسا نہ ہو گا جو تمام اختیارات مسلمانوں کے حوالے کر دینے پر آمادہ نہ ہو۔ ان کے (یعنی کانگریسیوں کے) نزدیک یہ مسئلہ ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتا کہ کانگرس یا حکومت کے دائرے میں زمام اختیار جس کے ہاتھ میں ہے وہ ہندو مت، اسلام یا عیسائیت کے عقیدہ کا معتقد ہے کیونکہ ان کے نظریہ کی رو سے مذہب کو سیاسیات سے نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ ہی ہونا چاہئے۔

ابھی حال ہی میں مسٹر ولبھائی ڈیسائی نے شملہ میں ایک جلسہ میں تقریر فرمائی جس میں انہوں نے بتایا کہ عہد حاضرہ میں بہترین نظام حکومت کس قسم کا ہو سکتا ہے، اور آزاد ہندوستان کا نظام حکومت کیسا ہو گا۔ تقریر کی تمہید میں جو کچھ انہوں نے کہا اس کا ملخص یہ تھا کہ عہد قدیم میں چونکہ بادشاہ اور حکمراں جماعتوں کے ارکان یہ چاہتے تھے کہ ان کے احکام بے چون و چرا تسلیم ہوتے چلے جائیں اور کسی کو ان پر تنقید کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے یہ خیال پیدا کیا کہ ان کی حکومت الہامی قوانین (Divine Laws) پر مبنی ہے۔ یعنی خدا کی ہستی پر ایمان پیدا کرنے کی ضرورت یوں پیش آئی۔ یہ حرف بحرف وہی اعتراض ہے جو اشتراکیت کے بانی مارکس نے مذہب کے خلاف عائد کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب علم و عقل کا زمانہ آگیا ہے۔ اب اس قسم کی توہم پرستی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ نظام حکومت کے متعلق انہوں نے فرمایا :-

اب یہ ناممکن ہو گا کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جائے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آچکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کر لیں اور اسے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ ضمیر، مذہب اور خدا کو ان کے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے، اور انہیں زمین کے معاملات میں خواہ مخواہ گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔۔۔ اس بات کا تو تصور بھی ناممکن ہے اور اگر مذہب کو سیاست سے الگ

نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم ہو سکتا ہے یا جذبہ حب الوطنی محض قومیت پرستی کی بنیاد پر پرورش پا سکتا ہے یعنی اس ماتر بھومی کے ساتھ وابستہ ہو جانے سے جس نے تمہیں پیدا کیا زندگی عطا فرمائی اور مرنے کی بعد جو تمہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔۔ عہد حاضر میں بہترین نظام حکومت کی بناء اس نظریہ پر قائم ہو سکتی ہے کہ جغرافیائی حدود اربعہ کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو (وطن) اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی اور سیاسی مفاد کے رشتہ میں منسلک ہو کر ایک متحدہ قومیت بن جائیں۔

(ہندوستان ٹائمز، 5 ستمبر 38ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ وہی نظریہ کہ :-

○ مذہب کو سیاست سے الگ رکھا جائے۔
○ نظام حکومت میں ضمیر، مذہب اور خدا کو کوئی دخل نہ ہو۔
○ جذبہ حب الوطنی کی پرورش محض قومیت پرستی کی بنا پر ہو سکتی ہے۔
○ اقوام اب اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ مذہب سے۔
○ افراد کو ایک قوم بنانے کے لئے وجہ جامعیت سیاسی اور معاشی مفاد ہیں نہ کہ مذہب۔

ہمارے قومیت پرست علمائے کرام یہ سب کچھ سنتے ہیں اور ایک لفظ اس کی تردید میں نہیں کہتے۔ تردید کیسی؟ وہ خود ان خیالات کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ خدا کے لئے کوئی بتائے کہ کیا اسلام دنیا کو یہی کچھ سکھانے کے لئے آیا تھا؟

یہ تو تھے غیر مسلم حضرات کے مختلف طبقے یا مسلمان کہلانے والوں میں سے وہ طبقہ جسے متشددین کہا جا سکتا ہے۔ لیکن آنے والے اسلام کے متعلق جو نظریہ عام "قومیت پرست مسلم" حضرات پیش کرتے ہیں، وہ ان سے بھی زیادہ افسوسناک اور مایوس کن ہے۔ ان حضرات کی تحریروں اور تقریروں سے واقف ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس قسم کا اسلام وہ پیش کر رہے ہیں وہ خود ان کے اپنے ہی دماغوں کی ساخت ہے، کتاب و سنت کے اسلام سے اس کو کچھ علاقہ نہیں۔ ان کے نزدیک بھی مذہب چند رسومات و عبادات کا ہی نام ہے۔ معاشرتی معاشی، سیاسی معاملات سب "دنیاوی" امور ہیں جن کا مذہب سے کچھ واسطہ نہیں۔ مثال کے طور پر دو ایک مشہور "قوم پرست مسلم" حضرات کے خیالات ملاحظہ فرمایئے۔ ڈاکٹر سید محمود سابق سیکرٹری آل انڈیا کانگرس کمیٹی اور کانگرسی حکومت صوبہ بہار کے وزیر کا ایک مضمون رسالہ جامعہ بابت اکتوبر 1936ء میں چھپا تھا۔ اس میں انہوں نے اس امر کی تلقین کی تھی کہ ہندوستان جیسے ملک میں مذہب اس قسم کا ہونا چاہئے جس قسم کا دین اکبر نے ایجاد کیا تھا۔ اکبر جیسوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ :-

بعض نے اپنے ولولہ و جوش سے مجبور ہو کر ہندوستان میں متحدہ قومیت کی آفرینش کے پیش نظر ایک ایسے جدید مذہبی نظام کی نشوونما کرنی چاہی جو ہندوستان میں سب کے مناسب حال ہو۔ یہ ان لوگوں کی معمولی خدمات نہیں کہی جا سکتیں۔

آنے والے نظام حکومت کے ماتحت اس نئے "دین الہٰی" کے ماننے والوں کا نام کیا ہو گا، اس کے متعلق ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

لفظ ہندی کو زبان کے لئے نہیں بلکہ اہل ہند کے لئے اختیار کرنا چاہیئے۔ دنیا بھر میں صرف ہمارا ملک ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں مختلف لوگ مذاہب سے شناخت میں آتے ہیں، صرف اس کا اظہار ہی ہماری دماغی کیفیت کا آئینہ بن جاتا ہے اور ہمارے متعلق یہ ثابت کر دیتا ہے کہ ہم اس براعظم کی علیحدہ علیحدہ "مذہبی اقوام" ہیں۔ اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ ہم ایک مشترک نام اختیار کر لیں۔

کانگرس کے شعبہ اسلامیات کے معتمد ڈاکٹر اشرف

صاحب کا ایک مضمون جمعیتہ العلمائے ہند کے آرگن الجمعیتہ بابت رجب 1356ھ میں شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں پہلے کون سی بات میں یگانگت اور وحدت تھی جو اب وہ اپنی الگ وحدت قومی کے لئے چلا رہے ہیں۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

اسی اعتبار سے ہم آج ایک نئے اور زندہ تمدن کی تعمیر میں مصروف ہیں، ہماری سیاسی اور سماجی جدوجہد اس نئے تمدن کا پیش خیمہ ہے۔

اس شعبہ اسلامیات کے ایک رکن جناب منظر رضوی کا ایک مضمون "مسٹر جناح کی کھوکھلی قیادت" کے عنوان سے اخبار مدینہ بابت یکم نومبر 1937ء شائع ہوا ہے۔ جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

مسٹر جناح نے پکار کر کہا ہے۔ "ہندوستان بھر کے مسلمانو مل جاؤ"۔ سوال یہ ہے کہ ہندوستان بھر کے مسلمان آپس میں کیوں ملیں۔ اس اتحاد کی ضروریات کیا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ جہاں تک توحید، رسالت، مذہبی معتقدات اور مذہبی حرکت و عمل کا تعلق ہے وہ آپس میں ملے ہوئے ہیں، بالکل متحد ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ہم مسٹر جناح کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ بھی کوئی اختلاف نہ ہو گا۔ لیکن سیاسی اور اقتصادی اغراض و مفاد کے لئے مسلمانوں کا آپس میں ملنا ناممکن ہے۔ وہ ہرگز متحد نہیں ہو سکتے اور نہ ان کو متحد ہونا چاہئے۔

رسالہ کلیم کے مدیر دسمبر 1937ء کے پرچہ کے اشارات میں فرماتے ہیں :-

اس کے علاوہ اپنے کو مسلم یا ہندو پہلے اور ہندوستانی بعد کو کہنا جغرافیائی صداقت اور فطری قانون کے بھی خلاف ہے۔ مذہب زیادہ سے زیادہ ایک ذہنی لباس ہے لیکن قومیت اور وطنیت تو ہمارے بدن کی جلد، ہمارا گوشت پوست اور ہمارا خمیر ہے۔ لباس تو ہر وقت بدلا جا سکتا ہے لیکن پوست اور خمیر کو کون بدل سکتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ قومیت اور وطنیت ایک ایسی قدرتی چیز ہے جس کا تبدیل کر دینا طاقت بشری سے باہر ہے۔ (جوش صاحب نے بعد میں پاکستانی قومیت اختیار کر لی تھی۔)

ایک اور "قوم پرست" بزرگ، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ہیں۔ وہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے مشہور نظریہ قومیت سے متعلق بیان کے جواب میں اپنے اخبار "ہند" بابت 21 مارچ 1938ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے مدعیان علم نے مشہور کر رکھا ہے کہ اسلام نے اسلامی سوسائٹی کا ایک ایسا نظام بنایا ہے جو ہمہ گیر اور اٹل ہے مگر یہ کہتے ہوئے ان لوگوں کو یہ یاد نہیں رہا کہ وہ اپنے اس قول سے اسلام کی عالمگیری کو توڑ رہے ہیں۔

ان کے نزدیک اسلام کی عالمگیری یہ ہے کہ اسے چند عقائد کا مجموعہ تصور کر لیا جائے۔ باقی رہا نظام سو وہ تو ایک وقتی چیز تھی جو اسلام نے عربوں کے سامنے پیش کی تھی فرماتے ہیں۔

اس حقیقت سے عام طور پر چشم پوشی کی جاتی ہے کہ اسلام عربی دین ہے۔ اس کی روح عربی ہے اور عربوں ہی نے سب سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھایا۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ عجمی قومیں اسلام میں داخل ہوئیں اور مسلمان بنیں۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ اسلام ہے عربی دین ہی جس کی شہادتیں خود قرآن مجید میں موجود ہیں۔

اس سے ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں :

اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے اور ہر آدمی دیکھ سکتا ہے کہ قرآن میں تفصیلی قوانین موجود نہیں ہیں۔ قرآن نے چند عام اصول بتا دیئے ہیں اور مسلمانوں سے کہہ دیا ہے کہ اچھائی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔ قرآن کہتا ہے امر

بالمعروف و نہی عن المنکر معروف بھلائی اور منکر برائی۔ لفظی معنی مشہور یا معلوم اور نامعلوم یا ناپسندیدہ۔ دیکھئے قرآن نے بھلائی کو لفظ معروف یعنی معلوم سے تعبیر کیا اور برائی کو لفظ منکر یعنی نامعلوم اور ناپسندیدہ سے۔ اس نے یہ نہیں کیا کہ اچھائیوں اور برائیوں کی فہرست دیدی ہو' بلکہ عام بات کہی کہ اچھائی کو پھیلاؤ اور برائی کو روکو۔ اور یہ اس لئے کہ سوسائٹی کے حالات بدل جانے سے اچھائی اور برائی کے مفہوم اور مسمیٰ بھی بدل جاتے ہیں۔

اس وقت ان دعاوی کا تجزیہ کر کے ان کے بطلان کی توضیح کا موقع نہیں۔ اس وقت صرف اتنا کہنا مقصود ہے کہ ہمارے قومیت پرست مسلمان حضرات کے نزدیک "مذہب" کی حیثیت کیا بنتی چلی جا رہی ہے۔ یعنی مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے۔ اسے سیاست سے کوئی علاقہ نہیں۔ مسلمان کہلانا بڑی تنگ نظری ہے۔ بلکہ یہ فطری قانون کے خلاف ہے۔ اسلام کوئی ایسا نظام زندگی نہیں دیتا جو ہمہ گیر اور اٹل ہو۔ اسلام فقط عربی دین ہے۔ قرآن تفصیلی احکام نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ نیکی اور بدی کا مفہوم بھی سوسائٹی کے حالات کے ماتحت بدلتا جاتا ہے۔

اللہ اکبر! نہ معلوم پھر اسلام ہے کیا؟

اب ایک اور قوم پرست (نیاز فتح پوری) سے سنئے کہ مسلمانوں کو کانگرس میں کیوں شریک ہونا چاہئے۔ فرماتے ہیں۔

لیکن ان کا (مسلمانوں کا) باہمی اختلاف جو زیادہ تر مذہبی رجحانات کا نتیجہ ہے۔ کبھی دور نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے دور کرنے کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ وہ کسی ایسے ادارے میں شریک ہو جائیں جو مذہبیات سے بالکل علیحدہ صرف سیاسیات سے تعلق رکھتا ہو اور ایسا ادارہ صرف کانگرس ہے۔ (مسلم لیگ ہی کو ایسا ادارہ فرض کر کے نیشنلسٹ مسلمان اس میں کیوں نہ شامل ہو جائیں) کانگرس میں شریک ہونے کے بعد تو مسلمان بے شک کسی ایک مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں لیکن اس سے علیحدہ رہنے کی حالت میں ان کے مذہبی اختلافات ان کی سیاسی تحریکوں کو کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے۔" (نگار بحوالہ مدینہ مورخہ 13 اگست 38ء)

یعنی وہی نظریہ کہ مذہب ایک الگ چیز ہے اور سیاست الگ' اور چونکہ مذہب نے مسلمانوں میں اس قدر اختلافات پیدا کر رکھے ہیں اس لئے مسلمان کسی ایسے مرکز پر جمع ہو جائیں جس میں مذہب کو دخل نہ ہو اور وہ مرکز کانگرس ہے۔ یعنی مسلمانوں کے اختلافات مٹانے والا مرکز قرآن نہیں ہے بلکہ کانگرس ہے۔ جل جلالہ'

اسی قسم کے ایک اور قوم پرست کا نظریہ مذہب ملاحظہ ہو:۔

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ گاندھی اور جواہر لال نہرو مسلمانوں کے لیڈر کس طرح ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے اپنے اخبار میں تو یہ فرمایا کہ اگر لیڈری سے مراد مسلمانوں کی دینی امامت و قیادت ہے تو یہ اعتراض درست ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد سیاسی رہنمائی ہے تو بے شک وہ قائد و امام ہو سکتے ہیں۔ (زمزم لاہور۔ مورخہ 15 جون 1938ء)

یعنی دینی امامت و قیادت الگ شے ہے اور سیاسی قیادت و امامت الگ۔ **اولی الامر منکم** (تمہارا امام تم میں سے) کا حکم صرف "دینی قیادت" کے لئے ہے۔ "سیاسی قیادت" میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی قید نہیں۔ چرچ اینڈ سٹیٹ مذہب اور سیاست کی تفریق کی اس سے بین مثال بھی کہیں مل سکتی ہے؟

اس اعتراض کا اس سے بھی دلچسپ جواب ایک بہت بڑے جید عالم دین نے دیا۔ انہوں نے فرمایا۔ "جناح کا فوٹو دیکھا۔ اگر جواہر لال قائد نہیں ہو سکتا تو جناح کیسے ہو سکتا

ہے؟" (اقتباس تقریر حضرت مولانا حسین احمد صاحب۔ مطبوعہ زمزم۔ 7 جولائی 1938ء)

اسی تقریر میں انہوں نے فرمایا کہ "جواہر لال ہندو ہے۔ اس نے کبھی نہیں کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اس کے باوجود وہ مسلمانوں کا تحفظ چاہتا ہے"۔ یعنی قرآن کریم تو کہتا ہے کہ **لا یالونکم خبالا**۔ غیر مسلم تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ **ودوا ما عنتم**۔ ان کو تو پسند وہی چیز ہے جس سے تمہیں نقصان پہنچے۔ (سورۂ آل عمران) اور حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ جواہر لال باوجود غیر مسلم ہونے کے (من دونکم ہونے کے) مسلمانوں کا تحفظ چاہتا ہے۔ کہئے کس کی مانیں۔۔۔!!

یہ چند تصریحات محض نمونتہ" پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ اگر ان حضرات کی تمام و کمال تحریریں آپ کے سامنے ہوں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ یہ کس قسم کا اسلام ہے جسے پیش کیا جا رہا ہے۔ ماحصل ان سب کے نظریوں کا یہ ہے کہ مذہب ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام ہے جس کا عملی سیاسیات اور معاشی، اقتصادی، عمرانی، معاشرتی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہی چیز جس کا نام مولانا ابو الکلام آزاد نے خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی رکھا ہے اور جس میں اس متحدہ قومیت کا مشترکہ مذہب بننے کی صلاحیت موجود ہے جس کی بناء بقول حضرت مولانا حسین احمد "اوطان" پر ہے۔ یہ ہے وہ مذہب جس کی آزادی کا اعلان بھارت ماتا کے مندر کے دروازہ پر لٹکایا جا رہا ہے۔ اب آپ خود فیصلہ فرمالیجئے کہ اس قسم کے مذہب کی "آزادی" سے مفہوم کیا ہو گا۔

برعکس اس کے اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے جو نظام زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ہیئت پر چھایا ہوا ہے۔ بقول حضرت علامہ علیہ الرحمتہ۔

اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے۔ اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں بلکہ اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو، نامعقول و مردود ہے۔ (معرکہ دین و وطن۔ علامہ اقبالؒ)

اس اجمال کی تفصیل طلوع اسلام کے مسلسل مطالعہ سے آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے گی کہ جب تک مسلمانوں کو اس قسم کے مذہب کی آزادی حاصل نہ ہو وہ اپنے آپ کو مذہبی حیثیت سے آزاد نہیں سمجھ سکتے۔ یہی وہ مذہبی آزادی ہے جس کے تحفظ کے لئے آج مسلمانوں کا ہر سوچنے والا دماغ غور و فکر کر رہا ہے اور اسی کا نام آج فرقہ پرستی رکھا جاتا ہے اور یا للعجب! کہ خود مسلمانوں کے ایک گروہ کی طرف سے رکھا جاتا ہے!!

از باغباں شد است کہ صیاد آں نکرد

یاد رہے کہ اسلام ایک پرائیویٹ عقیدہ کا نام نہیں بلکہ ایک جماعتی مذہب ہے جس میں دین اور دنیا، مذہب اور سیاست، گرہست آشرم اور سنیاس آشرم، الگ الگ شعبے نہیں۔ انسانی زندگی سے متعلق کوئی مسئلہ ہو اور دنیا اسے اپنی تقسیم کے اعتبار سے کسی ذیل میں لے آئے، اسلام کی رو سے وہ خالص مذہبی مسئلہ ہوتا ہے۔ اسلام کی رو سے (عام مفہوم میں) فرد کوئی ہستی نہیں رکھتا اس لئے اس کے انفرادی اور ذاتی اعمال بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ وہ ایک جماعت کا رکن ہے اور اس کی ہستی اس جماعت کے وجود سے ہے۔ لہٰذا، اس کے اعمال بھی وہی صالحہ ہیں جو اس جماعتی نظام کے اندر رہتے ہوئے کئے جائیں۔ "پرائیویٹ مذہب" زیادہ سے زیادہ چند اخلاقیات کے مجموعہ کا نام ہوتا ہے اور یہ سطحی مجموعہ اخلاقیات وہ ہے جو قریب قریب دنیا کے ہر مذہب میں مشترک ہے۔ کونسا مذہب ہے جو یہ نہیں

کہتا کہ جھوٹ نہ بولو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ اگر مذہب اتنی ہی چیز ہے تو پھر اسلام میں وہ کون سی خصوصیت ہے جس کی رو سے اس کا دعویٰ ہے کہ یہ خدا کا آخری اور مکمل دین ہے اور اس سے پیشتر کے تمام ادیان اب اس لئے ناقابل قبول ہیں کہ وہ اپنی اصل شکل میں دنیا کے پاس نہیں ہیں۔ جو لوگ اسلام کی روح سے کچھ بھی واقف ہیں، انہیں اس خصوصیت کا معلوم کر لینا کچھ زیادہ دشوار نہیں جس کی رو سے اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کا سچا دین ہے۔ آپ اسلام کے سوا کسی مذہب کو دیکھئے، وہ ایک پرائیویٹ حیثیت رکھتا ہو گا۔ وہ انفرادیت کی زندگی بسر کرنا سکھائے گا۔ ہندوؤں کے پجاری ہوں یا سنیاسی، عیسائیوں کے پادری ہوں یا راہب، وہ "دنیا داروں" کے طبقہ سے الگ ہوں گے۔ دنیا داروں میں سے جو شخص "خدا پرست" ہوتا جائے گا وہ ان سے کٹ کر الگ ہوتا جائے گا۔ اسے پھر جماعتی زندگی سے کوئی علاقہ نہیں رہے گا۔ اس کا مطمح نگاہ پھر اپنی مکتی حاصل کرنا ہو گا۔ اسلام نے جب رہبانیت کو ناجائز قرار دیا تو اس لئے نہیں کہ لوگوں کے گیروے رنگ کے کپڑے پہننے اسے پسند نہ تھے۔ ان کپڑوں میں رکھا کیا ہے؟ اسلام نے رہبانیت کی اس لئے مخالفت کی کہ رہبانیت اس نظریہ زندگی کا نام ہے جس میں انسان انفرادیت کی زندگی بسر کرتا ہے جس میں اسے صرف اپنی نجات کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ جس میں دین اور دنیا دو الگ الگ شعبے بن جاتے ہیں۔ جس میں مذہب ایک ذاتی اور پرائیویٹ عقیدہ کا نام رہ جاتا ہے۔ جس میں خدا پرستوں کے طبقہ کو اجتماعی معاملات سے کچھ علاقہ نہیں رہتا۔ یہ ہے بنیادی فرق اسلام اور دیگر ادیان میں۔ اس خصوصیت کو مٹا ڈالئے تو اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح رہ جائے گا اور اسی بنیادی فرق کو مٹانے کا نتیجہ ہے کہ قوم پرست حضرات کا یہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کے سب مذاہب سچے ہیں۔ البتہ ان مذاہب کے پیروؤں میں خرابیاں آگئی ہیں۔ اگر ہر مذہب کے پیرو اپنے اپنے مذہب کی سچائی پر عمل پیرا ہو جائیں تو پھر کسی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ترجمان القرآن۔ جلد اول۔ از مولانا ابوالکلام آزاد۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

قرآن کا جب ظہور ہوا تو دنیا کا یہ حال تھا کہ تمام پیروان مذاہب، مذہب کو صرف اس کے ظواہر و رسوم ہی میں دیکھتے تھے اور مذہبی اعتقاد کا جوش و خروش اسی طرح کی باتوں میں سمٹ آیا تھا۔ ہر گروہ یقین کرتا تھا کہ دوسرا گروہ نجات سے محروم ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتا تھا کہ دوسرے کے اعمال و رسوم ویسے نہیں ہیں جیسے خود اس نے اختیار کر رکھے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ نہیں۔ یہ اعمال و رسوم نہ تو دین کی اصل و حقیقت ہیں نہ ان کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے۔ یہ محض مذہب کی عملی زندگی کا ظاہری ڈھانچہ ہے۔ لیکن روح و حقیقت ان سے بالاتر ہے اور وہی اصلی دین ہے۔ اصل دین کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عملی کی زندگی۔ یہ کسی ایک گروہ ہی کی میراث نہیں ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ ملا ہو۔ یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔ (ترجمان القرآن جلد نمبر1 ص 137)۔

اس اقتباس کی اور باتوں کو چھوڑیئے۔ صرف اس چیز کو دیکھئے کہ حضرت مولانا کے نزدیک "اصل دین تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے"۔ "یکساں طور پر"۔ فرمایئے ! اسلام کو دیگر ادیان پر کیا تفوق اور فضیلت رہی؟ اس کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پمفلٹ "واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان" شائع کردہ طلوع اسلام دہلی)۔ (ہم اسے بھی عندالضرورت شائع کریں گے۔ (طلوع اسلام)

ہم اپنے اس دعویٰ کو کہ اسلام پرائیویٹ عقیدہ نہیں بلکہ ایک جماعتی مذہب ہے، بتوفیق الٰہی "کتاب و سنت" آثار و

تاریخ سے پوری طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ طلوع اسلام کا وجود ہی اس غرض کے لئے ہے۔ لیکن اس وقت ہم اس دعوے کے اثبات میں ایک دوسری روش اختیار کریں گے۔ ہم نے شق اول میں بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ قوم پرست طبقہ کے الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ وہ مذہب کو کیا سمجھتے ہیں۔ اب ہم اس "مسلم قوم پرست" طبقہ کے امام مولانا آزاد کے الفاظ میں اس بات کو ثابت کریں گے کہ مذہب اسلام پرائیویٹ عقیدہ کا نام نہیں بلکہ وہ ایک منظم مذہب ہے، جماعتی مذہب ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مولانا آزاد کی یہ تحریریں اس وقت کی ہیں جب انہوں نے "قوم پرستی" کا مسلک اختیار نہیں کیا تھا۔

1913ء میں انجمن اسلامیہ لاہور نے ایک ریزولیوشن پاس کر دیا کہ شاہی مسجد میں "سیاسی" تقریریں کرنے کی اجازت نہیں۔ اس پر مولانا آزاد نے اپنے رسالہ الہلال میں چار مبسوط اور مفصل افتتاحی مقالے تحریر فرمائے۔ جن میں اس جوش اور ولولے کے ساتھ جو زمانہ قومیت پرستی سے پیشتر ان کی نمایاں خصوصیت تھی۔ انہوں نے کتاب و سنت سے ثابت کیا کہ مذہب کو سیاست سے الگ سمجھنا کفر ہے، شرک ہے، جہالت ہے۔ فرماتے ہیں۔

"میں اگر ان کو کفر پرست کہوں تو تم کہو گے کہ یہ ایمان و کفر کی بحث ہے۔ میں اگر ان کو مشرک کہوں تو تم پکارو گے کہ بہت ہی بڑی جسارت ہے۔ ہاں یہ جسارت ہے۔ لیکن جن ظالموں نے اللہ کے آگے جسارت کی ہے، کیوں نہ ہم بھی ان کے لئے جسارت کریں۔ وہ نہ مومن ہیں نہ مسلم۔ ان کا حال یہ ہے جو کہا گیا **نومن ببعض و نکفر ببعض و یریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا۔** ان لوگوں کی اصطلاح میں جس چیز کو سیاست اور پالیٹکس کہتے ہیں، اسلام کے نزدیک عین دین و مذہب ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں داخل...." (الہلال- بابت 29 اکتوبر 1913ء، ص 18)

اس لئے کہ :-

"حضرت ختم المرسلین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے تمام عالم کی ضلالتوں اور تاریکیوں کو دور کرنا چاہا اور اپنی اور اپنی جماعت مقدس کی زندگی اس راہ میں صرف کر دی۔ یہ محض اصلاح اقوام و زمین کا کوئی خاص شعبہ نہ تھا۔ جس کو تم نے پالیٹکس، تمدن، اخلاق اور مذہب کے نام سے تقسیم کر دیا ہے بلکہ ان کی دعوت عام اور ان کی اصلاح عالمگیر تھی۔" (ایضاً" ص 6)

اسی زمانہ کے الہلال میں ایک سلسلہ بعنوان **الحریت فی الاسلام** شروع کیا گیا تھا۔ اس کی تمہید میں تحریر ہے :-

"اسلام خود اپنے بیان کے مطابق **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ۔** دین و دنیا کی اصلاح کے لئے آیا تھا اور اسی لئے دونوں جہان کی برکات اس کے ساتھ تھیں۔ پھر اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام کے خزانہ میں حسنات سیاست دنیاوی کا وجود نہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ نصف خدمت انسانی کی سرانجام دہی سے وہ **مقصر** رہا جس کا تخیل بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا...."

(الہلال- بابت 2 جولائی 1913ء، ص 9)

اس زمانہ میں مولانا نے مسلمانوں کے مصائب کا حل ایک ایسی جماعت کے قیام میں تلاش فرمایا تھا جس کا نام تھا حزب اللہ۔ اس جماعت کے اغراض و مقاصد کے ضمن میں انہوں نے الہلال کی متعدد اشاعتوں میں مقالات تحریر فرمائے جن میں شروع سے اخیر تک صرف ایک چیز کو پوری قوت کے ساتھ نمایاں کیا کہ اسلام ایک جماعتی مذہب ہے۔ اگر مسلمانوں کی الگ جماعتی زندگی مفقود ہے تو اسلام بھی مفقود ہے۔ یہ مقالات اس قابل ہیں کہ یہاں تمام و کمال نقل کئے جاتے لیکن اس سے یہ مضمون ایک کتابی شکل اختیار کر لے گا۔ اس لئے ان کے جستہ جستہ اقتباسات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"پس میں کہتا ہوں، اور از فرق تابقدم ایک صدائے ربانی بن کر کہتا ہوں جب کہ یقین کی وہ لازوال طاقت میرے ساتھ ہے جس کے لئے کبھی فنا نہیں۔ جب کہ وہ بصیرت الٰہی میرے دل کے اندر موجود ہے جس میں کبھی تزلزل و تذبذب نہیں اور جب کہ وہ شہادت ایقانی میرے سامنے ہے جس کی رویت میں کبھی دھوکا اور فریب نہیں کہ زندگیوں اور کامیابیوں کا وہ تخم مقدس کوئی انجمن، کوئی اسکیم، کوئی بے شمار خزانہ، کوئی عہد حفاظت، کوئی اقرار خدمت، غرضیکہ دنیا کی کوئی آواز اور انسانوں کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ صرف ایک ہی تحریک حق و صداقت ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کو ان کی حیات انفرادی و ملی کی ہر شاخ میں "مسلمان" بننے کی دعوت دے۔" (الہلال ص 7)

ہم حضرت مولانا سے بہ ادب اتنا دریافت کرنے کی جسارت کرتے ہیں کہ آج وہ صدائے ربانی، وہ یقین کی لازوال طاقت، وہ بصارت الٰہی، وہ شہادت ایقانی کیا ہوئی جو صرف اس تحریک کو حق و صداقت کی تحریک قرار دیتی تھی۔ جو مسلمانوں کی حیات انفرادی و ملی کی ہر شاخ میں انہیں "مسلمان" بننے کی دعوت دے۔ کیا وہ تحریک یہی تحریک کانگرس ہے جو مسلمانوں کا ایک الگ نام بھی سننا پسند نہیں کرتی اور جس کے مسلمان علمبردار حضرات کہتے ہیں کہ مسلمان مت کہلاؤ، ہندی کہلاؤ جو مسلمانوں کی "حیات ملی" کو تسلیم ہی نہیں کرتی اور کہتی ہے کہ ملک میں دو ہی جماعتیں ہیں۔ ایک حکومت اور دوسری کانگرس۔ لیکن ٹھہریئے۔ خود حضرت مولانا کی زبانی سنئے کہ وہ تحریک جس کے اندر آج وہ خود شامل ہیں اور جس کی شمولیت مسلمانوں کے لئے "فریضہ" مذہبی قرار دیتے ہیں۔ اس قسم کی تحریک کے متعلق اسلام کی کیا شہادت ہے۔ فرماتے ہیں :

"پھر جب آپ ایک انجمن قائم کرتے ہیں جس کے مقاصد و اعمال کی فہرست بیسیوں دفعات پر مشتمل ہے لیکن نہ تو اس میں کہیں احیاء دعوت اسلامی کی دفعہ ہے نہ کہیں اسلام کے احکام و اوامر پر عمل کرنے کی قید ہے۔ نہ کوئی صورت عمل و طریق کار ایسا پیش نظر ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو مسلمان بنانا اور ان کی مجاہدانہ روح عمل کو واپس لانا ہو۔ تو پھر فرمایئے آپ کا مقصد ضروری اور آپ کے کام یقیناً اچھے اور مستحق اعانت و شرکت جمیع مسلمین۔ لیکن ہمارے اصلی مرض کے لئے آپ نے کیا کیا اور اس کے لئے کہاں جائیں۔" (الہلال- بابت 30 جولائی 1913ء، ص 7)

کیا حضرت مولانا فرمائیں گے کہ کانگرس کی دفعات میں وہ کون سی دفعہ ہے جس کی رو سے احیاء دعوت اسلامی ضروری اور اسلام کے احکام و اوامر پر عمل کرنے کی قید ہو۔ کانگرس کے دستور اساسی میں وہ کون سی صورت عمل اور طریق کار پیش نظر ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو مسلمان بنانا ہو ! اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر فرمایئے کہ آپ کا مقصد تو ضروری (یعنی انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا) اور آپ کے کام یقیناً اچھے (یعنی ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت پیدا کرنا) اور مستحق اعانت و شرکت جمیع مسلمین (جسے پنڈت جواہر لال نہرو (Muslim Mass-Contact) سے تعبیر کرتے ہیں)۔ لیکن ہمارے اصلی مرض کے لئے آپ نے کیا کیا اور اس کے لئے کہاں جائیں۔ کیا حق و صداقت کی تحریک یہی ہے جس کا نام کانگرس کا شعبہ اسلامیات ہے اور جس کے انچارج ڈاکٹر اشرف اور ایک ذمہ دار رکن جناب منظر رضوی کے خیالات ابھی ابھی پیش کئے جا چکے ہیں۔

(جاری ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(بشیر احمد عابد کویت)

ینارُ کُونی برداً و سلامً...!

دنیا میں تین بڑی لعنتیں ہیں۔ شخصی حکومت، نظامِ سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت! ان میں سب سے بڑی لعنت مذہبی پیشوائیت ہے۔ اگر دنیاَ کو ان لعنتوں سے چھٹکارا مل جائے تو ہر فرد سکھ وچین کی زندگی بسر کرے۔ اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم واستحصال ہو رہا ہے وہ سب انہی شیطانی قوتوں کا پیدا کردہ ہے۔ قرآن کے الفاظ میں یہ ایسے مفسدین ہیں جو اصلاح کے نام پر فساد برپا کرتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ناہمواریاں پیدا کر کے معاشرے کے نظام کو تباہ مت کرو تو یہ نہایت ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ ہم معاشرے کو بگاڑتے کب ہیں؟ ہم تو اسے سنوارنے والے مصلحین ہیں۔ (۱۱_۲)

مذہبی پیشوائیت کا شمار اکابر مجرمین میں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نہ صرف عوام کو گمراہ کرتے ہیں بلکہ حکمرانوں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ظلم واستحصال کو بھی حق بجانب ثابت کرتے ہیں۔ یہ لعنتیں یوں معاشرے سے ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ ان کے خلاف جب بھی کوئی آواز اٹھاتا ہے تو شریعت کی آڑ لے کر اس کا منہ بند کر دیتے ہیں۔ ملا کی شریعت مجرم کو ایسا فریبِ نفس دیتی ہے کہ اسے اپنے جرم کا کبھی احساس ہی نہیں ہوتا۔ شرعی احکام کی تعمیل کر کے بڑے سے بڑا مجرم بھی اپنے آپ کو مقرب بارگاہ خداوندی سمجھنے لگتا ہے۔ مثلاً زندگی بھر غریبوں کا خون چوستے رہنا، اور انہیں ظلم و استحصال کی چکی میں پیستے رہنا لیکن اس کے باوجود اگر زندگی میں ایک بار حج کی سعادت حاصل کر لی یا ماہ رمضان کے روزے خلوصِ نیت سے رکھ لئے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف! اتنا بڑا دھوکہ اور فریبِ نفس ملاؤں کے علاوہ اور کون دے سکتا ہے!

ملاؤں کی نسل بڑی ڈھیٹ ہوتی ہے۔ ان سے خدا بھی نالاں ہے۔ خدا نے جتنے انبیاء کرام مبعوث فرمائے، جتنی شریعتیں نازل کیں، ان سب کا حشر نشر کرنے والے مذہبی پیشوا ہی ہوتے تھے۔ خدا کہتا ہے کہ یہ میرے خلاف دیدہ دانستہ جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ اپنی طرف سے باتیں وضع کرتے ہیں اور پھر انہیں وحیٔ خداوندی کے ساتھ اس طرح بٹ دیتے ہیں کہ وہ دونوں مل کر ایک ہی نظر آئیں۔ اور یوں ان کی باتیں خدا کی شریعت بن جائیں۔ جب ان سے پوچھو تو پوری دیدہ دلیری سے کہہ دیتے ہیں کہ وہ باتیں بھی خدا کی طرف سے ہیں حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں۔ (۷۷_۳) اس جھوٹ اور افتراء پردازی کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے اپنی باتیں منوائیں اور ان سے مالی فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ (۷۹_۲)

خدا کے احکام کا منتہیٰ و مقصود ایک خوشحال اور پر امن معاشرے کا قیام ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کی ذات کی نشو ونما اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل صرف ایسے ہی معاشرے میں ممکن ہوتی ہے۔ انسان جب تک فکرِ معاش سے آزادی اور ظلم واستحصال سے نجات حاصل نہیں کرتا وہ زندگی کے بلند مقاصد کا سوچ بھی نہیں

سکتا۔ استحصالی معاشرے میں ہوتا یہ ہے کہ مٹھی بھر چالاک اور شاطر انسان ذرائع رزق پر قابض ہو جاتے ہیں اور پھر اپنے من پسند قوانین وضوابط کے ذریعے عوام کی اکثریت کو اپنے شکنجے میں کس لیتے ہیں۔ اس طرح انسان کی تمام کاوشیں اور ساری توانائیاں زندگی کی بنیادی ضروریات کے حصول میں صرف ہو جاتی ہیں۔ مذہبی پیشوائیت استحصالی نظام کو استمرار اور دوام عطا کرتی ہے۔ ان کے آئین وشرائع انسانی سوچ وفکر کے تمام دیئے گل کر دیتے ہیں۔ یہ انسان پر ایسا بوجھ لادتے اور اسے ایسے طوق وسلاسل پہناتے ہیں کہ جن سے وہ اپنی مرضی کے مطابق نہ چل سکتا ہے' نہ رک سکتا ہے اور نہ سوچ سکتا ہے۔ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ انسان کے قلب ودماغ سے ان بوجھوں کو اتاریں اور تقلید واوہام پرستی کے طوق وسلاسل توڑیں تاکہ وہ آزادی کی فضا میں سانس لے سکے۔

انبیاء کرام کی معاشی ومعاشرتی اصلاحات کا استحصالی طبقے پر بڑا منفی اثر پڑتا اور وہ ان کی شدید مخالفت کرتے۔ اس مخالفت میں مذہبی پیشوائیت پیش پیش ہوتی تھی۔ خدا شاہد ہے کہ انبیاء کرام کو جتنے دکھ انہوں نے دیئے اور جتنی اذیتیں انہوں نے پہنچائیں اتنی اور کسی نے نہیں پہنچائیں۔ مذہبی پیشوائیت کا رویہ ہر دور میں جاہلانہ اور متشددانہ رہا ہے۔ عقل دشمنی' تقلید اور اسلاف پرستی ان کا شعار ہوتا ہے۔ جو بھی ان کے خود ساختہ آئین وشرائع کا انکار کرتا ہے اسے بدترین تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے مخالفین کی کھالیں کھنچوائیں' زبان کو گدی سے نکالا اور انسانوں کو زندہ جلایا۔ ایسے بھیانک اور بدترین سلوک کا انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ انبیاء کرام کی پرامن اور حیات آفرین دعوت کا ہمیشہ منفی جواب دیا۔ بجائے اس کے کہ اس پر ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کریں اور دلائل وبراہین سے جواب دیں، ان کا یہی جواب ہوتا۔ اقتلوہ او حرقوہ او اخرجو من دیار کم۔ انہیں قتل کر دو یا جلا دو یا جلاوطن کر دو!

انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ تو ختم ہو چکا لیکن ان شیطانی قوتوں کا وجود باقی ہے اور تا قیامت باقی رہے گا۔ کیونکہ زندگی کی نشوو ارتقاء کا راز حق وباطل کی کشمکش میں پنہاں ہے۔ حق کی قوتیں جب باطل پر غالب آتی ہیں تو زندگی عروج پاتی ہے۔ اس کے برعکس جب حق منصۂ شہود سے غائب ہوتا ہے اور باطل کو گل کھلانے کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے تو زندگی ذلت ومسکنت کی پستی میں چلی جاتی ہے۔ اس پر جمود طاری ہو جاتا ہے اور اس کی نشوو ارتقاء رک جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حق وباطل کی جنگ قرآن کریم کے اصولوں کے مطابق لڑنا مقصود تھی۔ کیونکہ حق وباطل میں تمیز کی آخری سند قرآن کریم ہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہے وہ حق ہے اور جو اس کے مطابق نہیں وہ باطل ہے۔ معاشرتی زندگی کے شجر طیب پر جب باطل کی آکاس بیل چھا جائے تو اسے کاٹ پھینکنا ضروری ہوتا ہے۔ اس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ ربوبیت عالمینی کے تقاضوں کے تحت اپنی قدرت کاملہ اور رحمت واسعہ کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے صالح بندوں میں سے کچھ کو اٹھا کھڑا کرتا ہے جو ستم رسیدہ انسانوں کو شیطانی قوتوں کے چنگل سے آزاد کرا دیتے ہیں۔ یہ سعید روحیں اللہ تعالیٰ کے ازلی وابدی پیغام قرآن کریم کی شمع لے کر مجاہدانہ وار آگے بڑھتی ہیں اور بھولے بھٹکے انسانوں کو ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر حق وانصاف کی روشن راہوں پر لے آتی ہیں۔ اگرچہ مذہبی پیشوائیت اور دیگر استحصالی قوتیں ان کی شدید مخالفت کرتی ہیں لیکن آخر الامر کامیابی انہی کے قدم چومتی ہے۔

آجکل طلوع اسلام ان کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ دنیا بھر کی تہمتیں اور الزامات اس کے سر تھوپے جا رہے ہیں۔ یہ قادیانی ہیں۔ پرویزی ہیں۔ منکرِ حدیث ہیں۔ مرتد ہیں۔ واجب القتل

ہیں۔ انہیں پکڑو مارو اور جلاؤ۔ جبکہ طلوعِ اسلام کا قصور صرف اتنا ہے کہ یہ قرآنِ خالص کی تعلیم پیش کرتا ہے اور قرآن کے ایک ایک حرف پر اٹل ایمان رکھتا ہے۔ طلوعِ اسلام کا اصول وقاعدہ یہ ہے کہ دین سے متعلق جو بات بھی ہو اسے قرآنِ کریم کی کسوٹی پر پرکھ لینا چاہئے۔ قرآن حق بات اور ظنی بات میں فرق کو واضح کر دیتا ہے۔ لیکن چونکہ شریعت کے اکثر احکام قرآن کے مطابق نہیں لہٰذا انہیں طلوعِ اسلام کے اس مسلک سے سخت چڑ ہے۔ یہ لوگ شروع دن سے طلوعِ اسلام کیلئے مشکلات پیدا کرتے چلے آ رہے ہیں لیکن ان کی خواہشات کے علی الرغم طلوعِ اسلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ الحمدللہ!

کچھ عرصہ قبل انہوں نے صوبہ سرحد کی حکومت کے ساتھ ملی بھگت کر کے ادارہ طلوعِ اسلام کی چند مطبوعات پر پابندی عائد کروا دی تھی۔ بعد ازاں، ادارہ طلوعِ اسلام نے اس پابندی کے خلاف پشاور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس کی پیروی وکلاء کا ایک پینل کر رہا ہے۔ حکومت کا یہ اقدام ہر لحاظ سے افسوس ناک اور غیر منصفانہ تھا۔ ادارہ طلوعِ اسلام حکومتِ پاکستان کا رجسٹرڈ ادارہ ہے اور جن مطبوعات پر پابندی عائد کی گئی ہے وہ ایک عرصہ سے شائع ہو رہی ہیں۔ ان کے متعلق آج تک کہیں سے کوئی شکایت نہیں ملی اور نہ ان پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ خود پنجاب میں جہاں طلوعِ اسلام کا ہیڈ آفس ہے اور یہ گذشتہ پچاس سال سے کام کر رہا ہے۔ ان کتب پر کوئی پابندی نہیں۔ بانی طلوعِ اسلام علامہ غلام احمد پرویز (وفات ۲۴ فروری ۱۹۸۵۔ لاہور) ایک ممتاز اسکالر اور مفکرِ قرآن تھے۔ آپ کی علمی و تحقیقی کاوشوں کو عالمی سطح پر سراہا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ مذہبی پیشوائیت کی طرف سے نظریہ پاکستان کی، جو شدید مخالفت ہو رہی تھی اس کے سدِ باب کیلئے جو محاذ قائم کیا گیا اس کی سربراہی کیلئے قائدِ اعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کے ایماء پر جناب غلام احمد پرویز کا انتخاب کیا اور آپ نے اس فریضہ کو پوری کامیابی سے سرانجام دیا۔ ان ملی خدمات کے اعتراف کے طور پر ۱۴ اگست ۱۹۸۹ء کو حکومتِ پنجاب نے ''تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل'' کا اعزاز ان کی خدمت میں (بعد از وفات) پیش کیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علامہ پرویز قائدِ اعظم کے ساتھ تحریکِ پاکستان کے دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ آپ ہی وہ واحد شخصیت تھے، جنہیں قائدِ اعظم سے پیشگی وقت لئے بغیر ان کی خدمت میں کسی وقت بھی باریابی کا شرف حاصل رہا۔ اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب ۱۹۴۶ء میں صوبہ سرحد کی پاکستان میں شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم ہوا تو علامہ پرویز نے وہاں کے مسلم لیگی راہنماؤں کی معیت میں رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کرنے کیلئے بھرپور جدوجہد کی۔ اس ریفرنڈم میں خان عبدالغفار خان اور کانگریس مل کر پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ ایک ایسا بے ضرر اور مخلص انسان جس کے علم کی ضوفشانیوں سے ایک جہان روشن ہوا اور جس نے حصولِ پاکستان کی جدوجہد اور اس کی دینی اساس کی حفاظت کیلئے اپنی تمام عمر صرف کی ہو اسے کافر و مرتد قرار دینا اور اس کی تصنیفات پر بے جا پابندی عائد کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

اخلاق کا تقاضا تو یہ تھا کہ حکومتِ پنجاب کی طرح حکومتِ سرحد بھی علامہ پرویز کی دینی اور ملی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتی اور ان کی تصنیفات پر پابندی کی تجویز کو سختی سے مسترد کر دیتی اس طرح اسے اللہ و رسول کی نگاہ میں بلند مقام حاصل ہو جاتا اور معاشرے میں علم و تحقیق اور حق و انصاف کی راہوں پر چلنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو جاتی۔ لیکن بدبختی سے حکومت نے اس معاملے میں اخلاقی تقاضوں کا احساس نہ کیا۔ چلئے نہ سہی! مگر حکومت کو اس

کیس کے قانونی تقاضے تو بہر حال پورے کرنے چاہئیں تھے۔

آئینِ پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۱۹ میں واضح کیا گیا ہے کہ سنسر شپ قواعد کے تحت حکومت کو نہ تو غیر مشروط اختیارات حاصل ہیں اور نہ اظہارِ خیال کی آزادی کو دبانے کی کھلی چھٹی ہے! کسی تحریر یا تقریر کو سنسر کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے خلاف ٹھوس ثبوت موجود ہوں۔ حکومت نے الزام لگایا ہے کہ ممنوعہ کتب اور پمفلٹس میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے خلاف مواد پایا جاتا ہے۔ لیکن نہ تو مواد کی نشاندہی کی گئی ہے اور نہ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ مواد کس فرقے کے عقائد و نظریات کے خلاف ہے۔ یوں لگتا ہے کہ حاکمِ مجاز نے ایک علمی و تحقیقی کاوش اور ایک شر انگیز تحریر میں جو بنیادی فرق ہوتا ہے اسے مدِ نظر نہیں رکھا۔ وہ دراصل اس حقیقت کا ادراک ہی نہیں کر سکا کہ اسلام میں علم و تحقیق کرنا' اس کے حقائق و معارف کی نئی وسعتیں دریافت کرنا' اور اس کی تعلیمات کو عصری تقاضوں کے مطابق قابلِ عمل بنانے کی جدو جہد کرنا اشتعال انگیزی یا فرقہ واریت نہیں کہلاتا۔ اشتعال انگیز اور فرقہ وارانہ تحریروں میں تعصب اور عناد پایا جاتا ہے اور ان میں مخالف فرقہ کے عقائد و نظریات کی بالارادہ مذمت کی جاتی ہے۔ پرویز صاحب کی تحریروں پر فرقہ واریت کا الزام لگانا سراسر حقائق کے منافی ہے۔ آپ کا لٹریچر ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور اسے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک لاکھوں انسان پڑھتے ہیں۔ پرویز صاحب کی کتب کے گذشتہ پچاس سال کے دوران کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اور ملک کے ہر بڑے شہر میں دستیاب ہیں۔ لیکن زمانہ شاہد ہے کہ اس کی وجہ سے آج تک کہیں بھی کوئی فتنہ فساد نہیں ہوا ہے۔ دو فرقے تو کجا کبھی دو افراد میں بھی سر پھٹول نہیں ہوئی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ پرویز صاحب کا لٹریچر پڑھ کر انسان کی قلب و نگاہ میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ فرقہ واریت کی تنگناؤں سے نکل کر وحدتِ امت کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ پرویز صاحب کی ساری زندگی فرقہ واریت کے خلاف جہاد میں گزری' فرقہ واریت کے موضوع پر آپ کی تحریریں اسقدر مقبولِ عام ہیں کہ بعض قومی اخبارات انہیں بار بار شائع کرتے رہتے ہیں تا کہ جسدِ قومی سے اس زہر کا خاتمہ ہو سکے۔ لیکن افسوس کہ الٹا انہی کو موردِ الزام اور ان کی تحریروں کو شر انگیز قرار دیا جا رہا ہے۔ اور وہ بھی کسی ایرے غیرے مولوی کی طرف سے نہیں بلکہ حکومت جیسے ذمہ دار ادارہ کی طرف سے۔ حکومت کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ ہر شہری کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرے اور خواہ کوئی بات پسند ہو یا ناپسند ذاتیات کو حق و انصاف کی راہ میں حائل نہ ہونے دے۔ دراصل فرقہ واریت کا مرض خود مولویوں کا پھیلایا ہوا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ اور ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جب تک مولوی باقی ہے، فرقہ واریت کو کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔

اسلام میں مولوی کا وجود اجنبی پودے کی مانند ہے۔ اسلام دین ہے اور مولوی مذہب کی پیداوار۔ مذہب اور دین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا نام ہے۔ اس کے برعکس دین انسان کی تمام زندگی کو محیط ہے۔ مذہب کی نگاہ میں مقصدِ حیات انسان کی نجات ہے۔ انسان زندگی میں گناہ کرتا ہے جو کہ خدا کی ناراضگی اور غضب کا موجب ہوتے ہیں۔ اس عذابِ خداوندی سے بچنے کیلئے مذہب انسان کو چند ترکیبیں بتاتا ہے جن پر عمل کرنے سے اس کی نجات ہو سکتی ہے۔ دین کی نگاہ میں مقصدِ حیات انسانی ذات کی نشو و نما ہے۔ ہر انسانی بچہ کچھ مخفی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ان صلاحیتوں کی برومندی کیلئے اسے سازگار اور موافق ماحول چاہئے۔ دین کے اصول و اقدار اختیار کر کے انسان اپنے معاشرہ کو بہتر بنا سکتا ہے۔ جو افراد اپنی صلاحیتوں کی نشو و نما کر لیتے ہیں وہ کامیاب زندگی بسر کرتے ہیں۔

جب وہ اخروی زندگی کی طرف لوٹتے ہیں تو پہلے سے بہتر انسان ہوتے ہیں۔ اور وہاں بھی کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ معاشرے میں اعلیٰ اقدار نافذ کرنے کیلئے قوت و بصیرت درکار ہوتی ہے اور یہ کام حکمران سرانجام دے سکتے ہیں۔ یہ مولویوں کے بس کی بات نہیں۔ اسی لئے دین دراصل حکمرانی کا دوسرا نام ہے۔

قرآنِ کریم دین پیش کرتا ہے۔ طلوعِ اسلام دین کے نفاذ کیلئے کوشش کررہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ قرآنی اقدار معاشرے میں بطور قانون نافذ ہوں تاکہ جو لوگ ان کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں ان کی گرفت کی جاسکے۔ اس طرح استحصالی قوتوں کا خاتمہ ہوجائے گا اور انسان کو ذات کی نشوونما کیلئے موافق اور سازگار ماحول مل جائے گا۔ قرآن کے احکام و قوانین انسانی ذات میں وسعت پیدا کرتے ہیں اور تخلیقی صلاحیتوں کو جلا دیتے ہیں۔ ان سے معاشرہ سدابہار خوشحالیوں اور مسرتوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ طلوعِ اسلام کی تمام تر تگ و تاز کا منشاء قرآنی نظام کا قیام ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد پیشِ نظر نہیں ہے یہ نہ تو مذہبی فرقہ ہے اور نہ ہی پارٹی۔ مذہب اور سیاست دونوں عوام کے جذبات سے کھیلتے ہیں اور انہیں ورغلاتے ہیں۔ طلوعِ اسلام اپنا نقطۂ نظر دلائل و براہین سے پیش کرتا ہے اور مقصد کے حصول کیلئے کوئی بھی اچھوتا حربہ استعمال نہیں کرتا۔ طلوعِ اسلام کو قادیانیت سے منسلک کرنا یا پرویزی فرقہ کہنا یا انکارِ حدیث جیسا شرمناک الزام لگانا سراسر جہالت اور صریح ظلم ہے۔ بانی طلوعِ اسلام علامہ غلام احمد پرویز منفرد فکر کے حامل تھے لیکن ان کے افکار کو کوئی بھی دین میں سند تسلیم نہیں کرتا۔ دین میں سند صرف خدا کی کتاب ہے۔

مولوی صاحبان کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ اپنی سوچ و فکر کے زاویے درست کرلیں۔ فتوؤں سے نہ پہلے کچھ سنورا ہے اور نہ اب سنورے گا۔ دنیا بالکل بدل چکی ہے اور عنقریب ایک ایسا دور آنے والا ہے جب اس کرۂ ارض پر ایک مولوی بھی نظر نہیں آئے گا۔ پشاور پمفلٹس کیس میں یہ حکومت کے فریق بن گئے ہیں۔ مسجدوں اور اخبارات میں طلوعِ اسلام کے خلاف مسلسل زہر اگل رہے ہیں۔ ہمیں اس کی قطعی پرواہ نہیں کہ یہ کیا کہتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ طلوعِ اسلام کے خلاف جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ سفید جھوٹ ہے۔ ہماری نہ تو کوئی مخصوص مسجد ہے جسے یہ مسمار کردیں گے اور نہ ہم پرویز کے مزار کے مجاور ہیں۔ طلوعِ اسلام قرآن جیسے زندہ پیغام کی تحریک ہے۔ جب تک یہ پیغام زندہ ہے اس تحریک کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ اس وقت پرویز صاحب کے ہزاروں شاگرد ہیں جو لٹریچر تصنیف کررہے ہیں۔ طلوعِ اسلام کا ہر رکن اپنی ذات میں ایک تحریک ہے۔ مولوی کس کس کا تعاقب کریں گے اور کس کس پر پابندی لگوائیں گے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ حق کا ساتھ دیتا ہے۔ پشاور ہائی کورٹ نے مقدمہ کی ابتدائی سماعت کے بعد معاملے کو اہم قرار دیتے ہوئے چیف جسٹس سے سماعت کیلئے بڑا بنچ تشکیل دینے کی درخواست کی ہے۔ یہ بنچ تین ججوں پر مشتمل ہوگا اور کیس کی اگلی سماعت رمضان کے بعد متوقع ہے۔ ہمیں امید ہے کہ عدالت عالیہ حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرے گی۔ ہم اللہ رب العزت کے حضور طلوعِ اسلام کیلئے دست بدعا ہیں کہ یا اللہ تو اسے اپنی حفظ و امان میں رکھ' یا اللہ تو اسے دشمن کی دست درازیوں سے سلامتی عطا فرما' یا اللہ تو اسے حاسدوں کی شعلہ سامانیوں سے بچا' تو اپنے اولوالعزم نبی ابراہیمؑ کو کنعانیوں کی عداوت و انتقام کی آگ سے بچا کر محفوظ مقام کی طرف لے گیا تھا۔ یا اللہ جو لوگ طلوعِ اسلام کے خلاف نفرت اور انتقام کی آگ بھڑکا رہے ہیں تو اسے سرد فرمادے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(علی محمد چدھڑ)

قرآن اور فرقہ واریت

یہ اکتوبر 1991ء کی بات ہے کہ روزنامہ جنگ نے ضلعی انتظامیہ اور پولیس کے تعاون سے ایک جنگ فورم کا انتظام کیا جس کا مقصد مذہبی فرقہ واریت کے لئے کوئی پروگرام تجویز کرنا تھا۔ فورم میں مذہبی جماعتوں کے تمام راہنما شامل تھے لیکن کیا طے پایا اور کیا تجویز ہوا اس کے متعلق تو اس وقت بھی کچھ پتہ نہ چلا اور اب بھی صورت حال وہی ہے یعنی بقول شاعر

ہمیں نے روک رکھے ہیں یہاں سبھی رستے
ہمیں کو ہے یہ گلہ راستہ نہیں ملتا

بہرحال اس وقت جو متفقہ نکات سامنے لائے گئے وہ دینی نقطہ نگاہ سے درست نہ تھے۔ مثلاً کہا گیا کہ تینتیس علماء کے بائیس نکات غیر متنازعہ ہیں لہٰذا اب ملک کو ان پر چلایا جائے (2) اکثریتی فقہ پر عمل کیا جائے۔ جیسا کہ ایران اور سعودی عرب میں ہو رہا ہے (3) دیو بندی۔ بریلوی۔ شیعہ اور اہل حدیث ہونا یا کہلانا بری بات نہیں۔ کیونکہ یہ فرقے نہیں مکاتب فکر ہیں۔

ان مشترک نکات کے علاوہ کچھ متفرق قسم کے مشورے بھی تھے جو اس عظیم اجتماع میں دیئے گئے۔ ان میں سے چند ایک ملاحظہ ہوں۔ (1) تمام مکاتب فکر کی ایک سپریم کونسل قائم کی جائے (2) کتاب و سنت دونوں میں سے کسی ایک کو کم کرنا افراط تفریط میں شامل ہے۔ (3) فقہی عقائد کے اختلافات ختم نہیں ہو سکتے البتہ ان کی شدت کم ہو سکتی
ہے۔ (4) جس بات کے ہم سب مجرم ہیں ان کا تذکرہ نہی
ہوا۔ وہ عائلی قوانین ہیں جو صدر ایوب نے یہاں نافذ ک
تھے اور تمام مکاتب فکر کی نظروں میں غیر اسلامی ہیں۔ (
سنی حضرات کا اپنا عقیدہ ہے۔ اہل حدیث کا اپنا مسلک ہے
شیعہ حضرات کا اپنا طریقہ ہے اور یہ ایسے ہی ہے۔ جی
مختلف پھول جمع ہو کر گلدستہ بنتے ہیں۔

پاکستان کی اس مملکت خداداد میں جب بھی اسلام
اسلامی نظام کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہماری نظریں مذہبی پیشوائی
کے ایسے ہی نمائندوں کی طرف اٹھتی ہیں۔ جن کے خیالا
آپ جنگ فورم کے اجتماع میں سن چکے ہیں۔ یہ سب ک
ہمارے مذہبی راہ نماؤں کی نظروں میں اسلامی نظام کا حص
ہے۔ لیکن قرآن اس نقطہ نظر کی نفی کرتا ہے۔ چنانچہ سو
آل عمران میں فرمایا کہ تم سب کے سب مل کر اس ضاب
خداوندی (قرآن کریم) کو محکم طور پر تھامے رہو اور فرقو
میں مت بٹ جاؤ"۔ (3:103) دیکھنا یہ ہے کہ فرقہ بندی ک
جرم کو قرآن کون سی کیٹیگری میں شمار کرتا ہ
مختصر جواب یہ ہے کہ فرقہ بندی کفر اور شرک ہے۔ (آ
قرآنی آیات کے حوالے سے وضاحتاً") فرمایا :

(1) دیکھنا "تم توحید پرست ہو جانے کے بعد مشرک نہ ہ
جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے د
میں تفرقہ ڈال دیا اور فرقے بن گئے۔ ہر فرقہ اس خیال م
مگن رہتا کہ میں حق پر ہوں۔ باقی فرقے باطل ہی

-(30:31-32)

(2) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو واضح قوانین خداوندی آجانے کے بعد فرقوں میں بٹ گئے اور باہم دگر اختلافات کرنے لگ گئے۔ یہ بڑا سنگین جرم ہے اور اسی کی سزا بھی سخت ہے۔ اس سے قومیں ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ (3:104)-

(3) ایمان لانے کے بعد فرقہ بندی کفر ہے اور روسیاہی کا موجب۔ (3:105)-

(4) حضور نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیں اور ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں۔ اے رسول ! تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ (6:160)-

(5) حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون سے کہا کہ تم نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکا کیوں نہ۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں ڈرتا تھا کہ اس قوم میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ گویا تفرقہ اتنی بڑی خرابی ہے کہ اس سے باز رہنے کے لئے وقتی طور پر قوم کی جہالت کو بھی گوارا کر لینا پڑتا ہے۔ (20:14)-

(6) ایسی مسجد کی تعمیر جس سے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوتا ہو کفر ہے۔ چنانچہ جب منافقین نے وہ مسجد تعمیر کر کے حضور نبی اکرم ﷺ کو وہاں نماز پڑھانے کے لئے درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اور کہا کہ اے رسول ! اس مسجد میں قدم بھی نہ رکھنا۔ یہ مسجد یونہی سمجھئے دوزخ کے کنارے کھڑی ہے۔ جس نے اسے بنایا ہے اور جو اس میں داخل ہو گا یہ ان سب کو لیکر جہنم میں جا گرے گی چنانچہ رسول اللہ نے صحابہؓ کو بھیج کر اس مسجد کو منہدم کرا دیا۔ اندازہ لگایئے کہ اسلام میں فرقہ بندی کس قدر شدید اور سنگین جرم ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے مسجد گرا دینا ضروری سمجھا۔ لیکن فرقہ کی طرح نہیں پڑنے دی (9:107-109)- اسی مسجد ضرار کے واقعہ کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک دفعہ کہا تھا کہ دیکھنا یہ ہے کہ اس کے بعد ہمیں بتانا پڑے گا کہ ہماری کتنی مساجد خدا کا گھر ہیں اور کتنی مسجد ضرار کے زمرہ میں آتی ہیں۔

II- تفرقہ کو اللہ تعالیٰ نے عذاب قرار دیا (اور قرآن کریم سے مثالیں دے دیکر بتایا) کہ

(1) قوموں پر عذاب کی ایک شکل یہ ہے کہ وہ پارٹیوں میں بٹ جائیں اور ایک دوسری سے الجھتی رہیں (6:65)-

(2) بنی اسرائیل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دنیا میں بکھر گئے۔ یہ خدا کا عذاب تھا۔ (7:168)-

(3) قوم سباء کو ریزہ ریزہ کر کے پراگندہ کر دیا۔ یہ بھی خدا کا عذاب تھا۔ پھر ان کی داستانیں باقی رہ گئیں۔ (34:19)-

(4) فرعون کا جرم عظیم یہ تھا کہ قوم میں تفرقہ ڈال کر پارٹیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ (28:4)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ تفرقہ اور باہمی اختلاف کی زندگی لعنت اور عذاب کی زندگی ہے اور صدر اول کے بعد اسلام پر ہماری خود ساختہ فرقہ بندی کی تہیں اس حد تک جم چکی ہیں کہ ہمیں احساس ہی نہیں رہا کہ فرقوں کی موجودگی اور اسلامی زندگی دو متضاد چیزیں ہیں۔ ہمارا ذہن یہ تلخ حقیقت گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں کہ فرقوں کے در آنے سے دین اسلام دین رہتا ہی نہیں۔ مذہب بن جاتا ہے۔ لیکن یہاں ہمارے مذہبی راہ نماؤں نے مسلمانوں کو سوچ کے ایک انوکھے سراب میں مبتلا کر دیا جن کے زرخیز دماغ نے فرقوں کی بجائے مکاتب فکر کی اختراع ایجاد کر لی تاکہ فرقے کو مکتب فکر کا نام دے کر اللہ تعالیٰ کے دربار سے شرک کے گناہ عظیم کی معافی طلب کر سکیں۔ لیکن یہ ان کا حسن ظن ہے یا خود فریبی۔ مولانا صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ شرک جیسے بڑے جرم کی معافی نہیں مل سکتی۔ خود اللہ تعالیٰ

قرآن مجید میں اس کا اعلان کر چکے ہیں (4:48) یعنی بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔ جہاں تک فرقوں کو مکاتب فکر کا نام دینے کا تعلق ہے تو ان کی اس ناکام کوشش پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ ان کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے بس اتنی ہی کہ یہ محض چند نام ہیں۔ جو تم اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری (7:71,12:40) مطلب یہ کہ نام کے تبدیل کرنے سے کسی چیز کی اصلیت نہیں بدل سکتی۔ جیسے پانی کو آپ کسی نام سے پکاریں۔ اس کی خاصیت وہی رہے گی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے تو ہمارا نام مسلم رکھا ہے۔ مومن اور کافر۔ یا حزب اللہ۔ حزب الشیطان کا سراغ بھی قرآنی اوراق سے مل جاتا ہے۔ یہ مکاتب فکر کی اصطلاح کہیں نظر نہیں آئی۔ نیز اس کے متعلق ایک اور ابہام سامنے آجاتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق مسلمانوں میں تہتر فرقے ہونگے جن میں سے صرف ایک ناجی ہو گا باقی سب جہنمی ہوں گے اگر موجودہ تمام فرقے مکاتب فکر ہیں تو پھر فرقے کون سے ہیں اور یہی تضاد ہمارے خود ساختہ دعوے کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ بہرحال اس سے بڑا دنیا کا اور ابہام کیا ہو سکتا ہے کہ قرآن ہمارے جس گروہ یا طبقہ کو فرقہ کے نام سے پکارتا ہے۔ ہمارے مذہبی رہنما اسے مکتب فکر کا نام دیتے ہیں۔ جبکہ اسی تفرقہ پر اللہ تعالیٰ شرک جیسے سنگین جرم کی فرد عائد کر کے اس کی سزا بھی تجویز کر دیتا ہے۔ یعنی ذلت' تباہی اور بربادی 3:104- کیا ایسے سنگین جرم کے مجرموں کو مکاتب فکر کے لقب سے پکارنا قرین انصاف ہے؟ یہ ہماری کج فہمی ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی عدالت کو بھی انسانی دنیا کی ایک عدالت سمجھ لیا ہے۔ جہاں روپیہ پیسہ سے بھی کام بن جاتا ہے۔ کسی موثر سفارش سے بھی بریت ہو جاتی ہے۔ لیکن عدالت خداوندی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ قرآن کہتا ہے "اس وقت انسان کے تمام اعمال بے نقاب ہو کر سامنے آجائیں گے اور کسی قسم کا کوئی بہانہ کام نہیں دے گا"۔ (75:15)

قرآنی اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداً جب انسانوں کے باہمی مفاد کے ٹکراؤ سے اختلافات پیدا ہو جاتے تھے تو انہیں مٹانا چونکہ تنہا عقل کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کے لئے خداوند کریم انبیاء کو وحی دے کر بھیجتا۔ (2:213) چنانچہ انہی مقاصد کے لئے اس نے اپنے نبی حضورؐ پیغمبر اسلام کو بھی بتا دیا کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں تو ان کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔ 39:46 دوسری جگہ فرمایا کہ قرآن نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو مٹا کر خدا کا دین قائم کرے گا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹے انسانوں کو ایک امت واحد میں تبدیل کر دے گا۔ 16:64-

ان آیات میں قرآن کا مقصد اور خدا اور رسول کی منشاء واضح الفاظ میں بیان فرما دی گئی ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے علماء حضرات بلا جھجک کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے اختلافات نہیں مٹ سکتے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ (معاذ اللہ) قرآن میں اس کی صلاحیت نہیں کہ وہ اختلافات مٹا سکے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا کہنے کی جرات کر سکتا ہے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے فرقے مٹ نہیں سکتے۔ تو ہم عملاً اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ وہ فرقوں کو مٹا سکتا ہے۔ (نعوذ باللہ) ہمیں یہ خیال ذہن سے جھٹک دینا چاہئے۔ قرآن کا ہر دعویٰ سچا ہے۔

باقی رہا علماء کا یہ دعویٰ کہ اختلافات نہیں مٹ سکتے تو اس سلسلہ میں صرف اتنی گذارش ہے کہ کسی قریب المرگ

انسان کو ہی آب حیات کی قدر ہوتی ہے۔ اگر ہمارا ذہن اس بیدار ہو چکا ہے تو اس کے. متعلق قرآن کی بارگاہ سے پتہ کر لینا چاہئے۔ قرآن نور علیٰ نور ہے۔ شفا اور رحمت ہے۔ ضرور رہنمائی ملے گی ویسے ایک ضرب المثل بھی ہے کہ ہمیشہ پیاسا ہی پانی کے پاس چل کر جاتا ہے۔ پانی پیاسے کے پاس چل کر نہیں آتا۔ قرآن اس اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ”اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہیں۔ وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے۔ مگر اسکی طرح جو پانی کے سامنے ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے کہ اس کے منہ میں پہنچ جائے اور وہ ہرگز نہیں پہنچے گا“۔ 13:14-

دراصل ان قرآنی حقائق سے ہمارے علماء کرام اچھی طرح سے واقف ہیں۔ یہ ہماری خوش فہمیاں ہیں اور ان کے ذاتی مفاد' اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مذہبی رہنما چاہتے ہی نہیں کہ فرقہ واریت کا خاتمہ ہو۔

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

بہرحال مایوسی کی کوئی بات نہیں اختلافات مٹانے کے سلسلہ میں حوصلہ افزا بات یہ ہے کہ جس خدا نے قرآن کو نور علیٰ نور اور رحمت کا خطاب دیا اسی نے اس کو وجہ جامعیت بھی بتایا ہے۔ چنانچہ اللہ کہتا ہے کہ ”قرآن کے ساتھ وابستہ رہنے سے تمہاری جامعیت باقی رہے گی۔ تم سوچو کہ اس سے پہلے تمہاری حالت کیا تھی اور قرآن نے کس طرح تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی“ (3:102)-

یہ خداوند کریم کا کتنا بڑا احسان اور عنائت ہے۔ جس نے ہمیں ایسی خوبیوں کا حامل قرآن عطا فرمایا۔ جس کا مقصد ہی لوگوں کے اختلافات مٹانا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس پروردگار عالم نے بذریعہ قرآن اختلافات مٹانے کا طریقہ بھی بتا دیا۔

اختلافات مٹانے کا طریقہ :- (1) اہل کتاب کے متنازعہ فیہ معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے انہیں دعوت دی جاتی ہے (3:22)-

(2) اختلافی امور میں (قانون خداوندی کی طرف) رجوع کرنا چاہئے (3:54)-

(3) اہل کتاب کو دعوت کہ توحید کی مشترکہ تعلیم کی طرف (جو اب قرآن میں ہے) آؤ (3:63)-

(4) افسران ماتحت سے جس معاملہ میں اختلاف ہو اسے ”خدا اور رسول“ (مرکز نظام خداوندی) کی طرف لوٹاؤ (4:59-

(5) اختلافی معاملات میں رسول کا حکم ماننا ہو گا (4:65) رسول کے بعد یہی منصب جانشینان رسولؐ اللہ کا ہو گا۔

(6) کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے سے اختلاف مٹ جاتے ہیں (5:48-49)-

(7) صرف خدائے واحد کی طرف معاملات لوٹانے سے اختلاف مٹ سکتے ہیں۔ یعنی کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرانے سے (39:46)-

(8) ہر اختلافی معاملہ میں (کتاب) اللہ سے فیصلہ لینا چاہئے (42:10)-

اب اگر پھر کوئی کسی مکتب فکر کے چکر میں پڑے تو اس کی مرضی۔ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ تم کس طرح کفر میں مبتلا ہو سکتے ہو جبکہ حالت یہ ہے کہ (3:100)

(i) تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے (ii) اس کے ساتھ تم میں اس کا رسول موجود ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک امت میں (i) قرآن اور (ii) رسول موجود ہو فرقے پیدا نہیں ہو سکتے۔ کتاب اللہ کی وارث امت ہے نہ کہ کوئی فرد۔ اسی طرح رسول اللہ کی جانشین بھی درحقیقت پوری کی پوری امت ہے۔ عملی انتظام

کی سہولت کے لئے اپنے میں سے بہترین فرد (افراد) کو منتخب کر کے اس سلسلہ کو قائم رکھنا ہے۔ اس طرح امت۔ امت واحد ہی رہے گی یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت میں مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا نہیں ہو سکے گا۔ یہ تو ہیں حق کے فیصلے اور سچ کی باتیں۔ لیکن متعدد فرقوں اور مختلف عقائد میں بٹے ہوئے انسانوں کے نمائندوں کے لئے یہ کوئی آسان کام نہیں کہ اتنا کچھ تجویز کی حد تک ہی تسلیم کر لیں۔ جن پیشواؤں کے مفاد روایات سے وابستہ ہیں وہ یقیناً قرآنی نظام سے خائف ہیں اور نتیجۃً” ساری امت مسلمہ غلامی، ذلت اور افلاس کی زندگی گذار رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت دنیا کے نقشے پر کل چھپن مسلمان ممالک ہیں۔ بدقسمتی سے سب کے سب فرقہ واریت اور تعصب کے عفریت کی لپیٹ میں ہیں اور ان میں سے کسی ایک میں بھی ابھی تک اسلامی نظام کا نفاذ نہیں ہو سکا۔ گویا ایسا نظام مسلمانوں کے مقاصد میں ہی نہیں تھا۔ باوجود اسکے کہ صدر اول میں وہ عملی طور پر دنیا کو دکھا چکے ہیں کہ زندہ قوم کے مقاصد کیا ہوتے ہیں اور وہ کس طرح حاصل کئے جاتے ہیں۔ قرآن نے یہاں زندہ اور مردہ اقوام کی کیفیت بھی بتلا دی ہے مثلاً فرمایا۔ زندہ قوموں کے مقابلہ میں مردہ قوموں کی کیفیت وہی ہوتی ہے جو انسان کے مقابلہ میں حیوانات کی۔ وہ اپنے مالک کی خدمت گذاری کے لئے جیتے ہیں اور اسی کی خاطر مرتے ہیں۔ وہ اس کے مقاصد کے بروئے کار لانے کا ذریعہ ہوتے ہوتے ہیں 36:71 یہی حالت مردہ قوموں کی ہوتی ہے۔ وہ طاقتور قوموں کی خدمت کے لئے رکھی جاتی ہیں۔

اتنا کچھ سمجھ لینے کے بعد بھی یہ لوگ صحیح روش زندگی اختیار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور خدا کو چھوڑ کر اور ہستیوں کو اختیار اور اقتدار کا مالک تصور کرتے ہیں تاکہ وہ ان کی مدد کریں 36:7374-

اور آخر میں ایک غلط فہمی کے ازالہ اور اپنے اصل موضوع کی روشنی میں ان صاحبان کی خدمت میں چند حروف جو ہر دوسرے چوتھے روز کے بعد حنفی اسلام، سعودی اسلام، ایرانی اسلام اور افغانی اسلام وغیرہ کا نعرہ لگا کر امیر المومنین بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ “یہ بھی سن رکھو کہ تمہارا نظام خالص قوانین خداوندی کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ اس لئے جو لوگ ایک خدا کے قوانین و احکام کے اطاعت گذار نہ ہوں۔ بلکہ مختلف نظریات زندگی کے حامل ہوں تمہارے نظام کا قیام ان کے ہاتھوں سے نہیں ہو گا۔ یہ تمہاری مساجد کی آبادی کا باعث نہیں ہو سکتے۔ یہ ان کی بربادی کا باعث بنیں گے 72:18- نہ ہی اس نظام کا قیام ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہو گا جو تمہاری جماعت میں تفرقہ پیدا کریں۔ (9:107) 9:17-”

لب پہ پابندی تو ہے احساس پر پہرہ تو ہے
پھر بھی اہل دل کو احوال بشر کہنا تو ہے

جو شر پیدا کر کے غالب آیا، وہ غالب نہیں مغلوب ہے۔
جس نے ناجائز طریق سے کامیابی حاصل کی، وہ کامیاب نہیں، ناکام ہے۔
(حضرت عمر فاروقؓ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ایاز حسین انصاری)

اعتراف حقیقت

اس تقریر کے اقتباسات کے الفاظ غور سے پڑھیئے :

.... نے کہا کہ : ”قرآن کا نظام نافذ کئے بغیر مسائل حل نہیں ہونگے اور ہم اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے“۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کریم ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ باطل کے مقابلے میں ڈٹ جانے اور حق کا ساتھ دینے کی تعلیم دیتا ہے امت کو قرآن کریم پر ہی متحد کیا جا سکتا ہے“۔۔۔۔ نے کہا کہ ”قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ ہر دور میں اس کے لاکھوں حفاظ موجود رہے ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہی ہے۔۔۔۔۔ طلبا و طالبات کو نصیحت کی کہ ”وہ اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد قرآنی تعلیمات کو عام کریں“ انہوں نے کہا کہ ”تمام معاملات اور مسائل کا حل قرآن کریم میں موجود ہے“ انہوں نے کہا کہ یہ کتاب بار بار یاددہانی کراتی ہے کہ انسان...... کو اپنے رب کے سامنے زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو ٹھیک طریقے سے سمجھا جائے اور اس کی تعلیمات کو عام کر دیا جائے۔“

آپ یہ الفاظ پڑھنے کے بعد دل میں محسوس کر رہے ہونگے کہ یہ تقریر کسی نے طلوع اسلام کی تقریب میں پیش کی ہو گی جو چربہ ہے محترم پرویزؒ کی تعلیمات کا۔ لیکن نہیں جناب مقرر ہیں قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعت اسلامی۔ یہ تقریب ہے تفسیر قرآن کریم کی افتتاحی تقریب کا جلسہ جو منصورہ میں 13 نومبر 2000ء کو منعقد ہوا اور جس کی روئیداد 14 جنوری کے روزنامہ ”جنگ، کراچی“ میں شائع ہوئی۔

طلوع اسلام دسمبر 1999ء میں میرا ایک مضمون بعنوان ”جماعت اسلامی کی چیف ایگزیکٹو پر بے جا تنقید“ شائع ہوا، جس میں راقم نے لکھا تھا:-

”تشکیل پاکستان کے بعد ہماری مذہبی جماعتوں کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ چونکہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، اس لئے یہاں اسلامی قوانین نافذ ہونے چاہئیں۔ اس مطالبہ کے پیش کرنے والے بیشتر حضرات وہ تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کے دوران مطالبہ پاکستان کی سخت مخالفت کی تھی۔ ارباب حل و عقد کی طرف سے ان سے کہا گیا کہ آپ میں اتنے فرقے ہیں جن کی موجودگی میں کوئی ایسا ضابطہ قوانین کس طرح مرتب کیا جا سکے گا جسے آپ سب کے نزدیک متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کیا جائے۔ اس اعتراض کے جواب میں انہوں نے 1951ء میں مختلف فرقوں کے نمائندوں پر مشتمل (جن کی تعداد اکتیس تھی) ایک کانفرنس میں ایک قرار داد منظور کی جس میں کہا گیا کہ شخصی قوانین (Personal Laws) تو ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں، اور پبلک لاز (Public Laws) ”کتاب و سنت“ کے مطابق وضع کئے جائیں۔ اس پر طلوع اسلام نے کہا کہ آپ حضرات کا یہ اتفاق محض ”کتاب و سنت“ کے الفاظ پر ہے عملاً تو سنت ہر ایک کی الگ الگ ہے اس لئے فرقہ وارانہ اختلافات تو باقی

رہیں گے۔ آپ حضرات کے نزدیک اگر "سنت" ایک ہے تو شخصی قوانین جن کا دارومدار بھی "سنت" پر ہے تو پھر یہ قوانین بھی یکساں ہونے چاہئیں۔ اگر آپ مخلص ہیں تو کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ سب لوگ مل کر کم از کم پبلک لاز کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کر دیں جو سب کے لئے متفق علیہ ہو تاکہ پبلک لاز کا کوئی متفق علیہ ضابطہ مدون ہو سکے۔ لیکن اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ پھر ان حضرات سے طلوع اسلام نے کہا کہ جب آپ حضرات متفقہ علیہ مجموعہ مرتب نہیں کر سکتے تو پھر یہ مطالبہ کیجئے کہ ملک کے قوانین کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کے مطابق ہونے چاہئیں کیونکہ وہ سب کے نزدیک متفقہ علیہ ہے۔

"اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے ان حضرات نے ایک حربہ وضع کیا اور وہ یہ ہے کہ اٹھتے بیٹھتے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ علامہ پرویز صاحب ؒ اور طلوع اسلام منکر قول رسولؐ ہیں۔ اس طرح عوام کو گذشتہ پچاس سال سے الجھا رکھا ہے۔ ہماری قوم جذباتی واقع ہوئی ہے اور پروپیگنڈہ کا جلد شکار ہو جاتی ہے۔ جب اس قسم کا زورِ دار پروپیگنڈہ ہو رہا ہو تو کون سا مسلمان ہے جو طلوع اسلام کو دیکھنا بھی گوارہ کر سکے۔ لیکن طلوع اسلام حق پر ہے اور اپنی بات پر جم کر کھڑا ہوا ہے۔ بالآخر جو اس مطالبہ کے میر کارواں تھے یعنی مودودی (مرحوم) ان کو اعلان کرنا پڑا کہ :

"کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں ہے جو پبلک لاز کے معاملہ میں حنفیوں، شیعوں اور اہل حدیث کے درمیان متفقہ علیہ ہو۔" (ایشیا 23 اگست 1970ء)۔ حیرت کی بات ہے کہ مودودی صاحب کے اس اعلان کے بعد ان کے خلاف نہ کوئی آواز اٹھی نہ کسی نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا کیونکہ مرحوم "مولانا" تھے۔ اس الجھن کا حل انہوں نے یہ پیش کیا کہ نہ قرآن کو باقی رکھا جائے نہ سنت کو۔ فقہ حنفی نافذ کر دی جائے کیونکہ ملک کی اکثریت حنفی ہے۔ ملک کو مزید الجھن میں ڈالنے کے لئے جماعت اسلامی کے امیر قاضی صاحب اور دیگر علماء حضرات کی طرف سے وہی رٹ لگائی جا رہی ہے کہ ملک میں اسلامی نظام قائم کیاجائے اور قوانین قرآن و سنت کے مطابق بنائے جائیں۔ ان حضرات کے نزدیک اسلام نام ہے روایات کی اطاعت یا فقہ کی اطاعت کا۔ قرآن محض تلاوت کے لئے رہ گیا۔ "صرف قرآن" سے دین کا قانون اخذ کرنا جرم عظیم سمجھا جاتا ہے۔

"یہ ایک حقیقت ہے تمام دنیا کے مسلمان کمزور اور ناتواں ہیں اور اکثر اوقات ان کی کمزوری، ذلت اور خواری کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی پہلی پریس کانفرنس مورخہ یکم نومبر 1999ء میں صحیح فرمایا کہ ہماری عزت کا سودا ہوا ہے اور ہم پوری دنیا میں بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس کے اسباب کیا ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے اس کا ایک ہی سبب ہے۔ سورہ محمدؐ میں ہے "جو لوگ صداقت سے انکار کرتے ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں" (47:8)۔ سوال یہ ہے کہ وہ کونسی صداقت ہے جس سے انکار کا نتیجہ ذلت و خواری ہے؟ فرمایا :

ذالک بانهم کرهوا مَا انزل الله فاحبط اعمالهم

(47:9)۔ "یہ ذلت و خواری اس لئے ہے کہ یہ لوگ خدا کی کتاب کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا سب کیا کرایا رائیگاں چلا جاتا ہے۔"

"یہ آیت غیر مسلموں کے متعلق نہیں ہم (مسلمانوں) کے لئے ہے۔ غیر مسلم تو کھلے بندوں انکار کرتے ہیں **کرهو** کے معنی کراہت ہوتے ہیں۔ کسی کو مجبوری کے تحت ماننا پڑے لیکن دل اس پر راضی نہ ہو۔ ہم ہیں کہ قرآن کو دل کی رضا مندی سے تو مانتے نہیں لیکن کھلے بندوں اس سے انکار کی جرات بھی نہیں۔ ہماری اس حالت کا نقشہ ان الفاظ

میں کھینچا گیا ہے۔

و اذا ذکرت ربک فی القران وحدہ ولو اعلی ادبارھم نفور (17:46)- "اور جب تو قرآن میں اکیلے خدا کا ذکر کرتا ہے تو ان کے دل میں نفرت کا طوفان اٹھتا ہے اور یہ پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں"۔

یہ خدائے واحد (اکیلے خدا) کی اطاعت کے تصور تک کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کے ساتھ انسانوں کو بھی شریک کرتے ہیں۔

"جب تو خدائے واحد کا ذکر کرتا ہے تو ان لوگوں کا دل پیچ و تاب کھاتا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ لیکن جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں (39:45)-

انسانوں کو خدا کا ہمسر بنانا۔ ان کے فیصلوں کو خدائی شریعت قرار دینا کھلا ہوا شرک ہے۔

"کیا انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں جو ان کے لئے احکام شریعت وضع کرتے ہیں حالانکہ خدا نے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی (12:106)-

خدا کے ساتھ انسانوں کو شریک کرنے والوں کے متعلق وہ کہتا ہے۔

"(اے رسول) کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی ہے، جس میں، ان لوگوں کے لئے جو اس کے خودمکتفی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، سامان شرف و رحمت ہے" (29:51)-

"یہ لوگ جو اس کے خودمکتفی ہونے پر ایمان رکھتے تھے، صدر اول کے مومن تھے۔ وہ اعلان کرتے تھے کہ **حسبنا کتاب اللہ** "ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے"۔

کاش یہ حضرات (مذہبی علماء) عقل و فکر سے کام لیں اور اس حقیقت میں یقین رکھیں کہ ہر انسان کو صفحہ ہستی سے مٹ جانا ہے اور اپنے اعمال کے لئے اللہ کے سامنے جواب دہ بھی ہونا ہے اور نتیجہ بھی بھگتنا ہے۔"

قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ انسانوں کو آخر الامر، اس کے متعین کردہ نظام کی طرف آنا ہے۔ اگر یہ طوعا" اس طرف آجائیں گے تو بہت سی مشکلات، مصیبتوں، عقوبتوں اور مشقتوں سے بچ جائیں گے۔ اگر اب نہیں کریں گے تو زمانے کے تقاضے انہیں کرہا" اس طرف لائیں گے اور قرآنی حقائق کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیں گے۔ اس کا طریق یہ ہو گا کہ انسان تنہا اپنی فکر کی رو سے ایک نظام تجویز کرے گا۔ ایک عرصہ تک اس پر عمل پیرا رہے گا اس کی پیدا کردہ خرابیوں کو جھیلتا جائے گا۔ آخرالامر وہ نظام ناکام ثابت ہو گا تو اس کی جگہ اور نظام وضع کر لیا جائے گا۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔ لیکن ہر ناکامی کے بعد، اس کا قدم لاشعوری طور پر اس منزل کی طرف اٹھے گا جس کو قرآن نے متعین کر رکھا ہے۔

محترم ثروت جمال اصمعی نے "جماعت اسلامی اور مولانا مودودی" پر اپنے کالم روزنامہ جنگ کراچی مورخہ 22 نومبر 2000ء) میں تحریر کیا ہے کہ "....... تاہم بعد میں کئی حوالوں سے یہ بات ریکارڈ پر آگئی (ہے) کہ مولانا مودودی کی (اپنی) رائے کی روشنی میں ایک قرارداد کا مسودہ تیار ہوا تھا۔ جس میں طے کیا گیا تھا کہ جماعت براہ راست انتخابات میں شرکت سے کنارہ کش ہو کر تطہیر و تعمیر افکار والے اپنے اصل پروگرام کے ذریعے معاشرے میں فکری و اخلاقی انقلاب برپا کرنے پر پوری توجہ دے گی لیکن اس وقت کے امیر جماعت نے جو مولانا مودودی کے استعفیٰ کے نتیجے میں اس منصب پر فائز ہوئے تھے اس کام کو غالبا" اپنے بس سے باہر بتاتے ہوئے اس سے معذرت کر لی تھی اور مولانا سے کہا تھا کہ آپ خود جماعت کی گاڑی کو از سر نو اب اس پٹڑی پر ڈال

سکتے ہوں تو آگے آیئے۔ تاہم مولانا مودودی غالباً” اپنی دل شکستگی اور خرابی صحت کی وجہ سے اس کا حوصلہ نہ کر سکے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا مودودی کی رائے میں اس تبدیلی کی آئینہ دار یہ قرارداد مرکزی مجلس شوریٰ کے ریکارڈ میں موجود ہے جو اس حقیقت کا یقینی دستاویزی ثبوت ہے۔ مولانا مودودی کی رائے میں اس تبدیلی کی ایک اور معتبر گواہی مولانا ابو الحسن علی ندوی کا وہ بیان ہے جو انہوں نے 1977ء یا 1978ء میں اپنی پاکستان آمد کے موقع پر دیا تھا کہ مولانا مودودی کے نزدیک اصل انقلاب سیاسی نہیں اخلاقی ہی ہے لیکن اب وہ جماعت اسلامی کو ازسرنو اس راستے پر ڈالنے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتے۔ اگر یہ باتیں درست ہیں، جن کے درست نہ ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے تو یہ بات پوری طرح ثابت ہے کہ 1970ء کے انتخابی تجربے کے بعد مولانا مودودی اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ 1957ء میں ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں ان کے ان ساتھیوں کی رائے درست تھی جو جماعت کو انتخابات میں براہ راست شرکت سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ طریقہ کار کے حوالے سے مولانا مودودی کی رائے میں یہ تبدیلی کوئی بڑی حیرت انگیز بات نہیں ہے کیونکہ قیام پاکستان کے چند برس بعد انتخابی سیاست میں براہ راست شرکت کا طریقہ اختیار کرتے وقت ہی مولانا مودودی نے یہ تسلیم کرتے ہوئے “بلا شبہ سیاسی انقلاب سے پہلے ایک تمدنی، اجتماعی اور اخلاقی انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی اسلامی انقلاب کا فطری طریقہ ہے” یہ موقف اختیار کیا تھا کہ چونکہ قیام پاکستان کے نتیجے میں سیاسی انقلاب پہلے واقع ہو گیا ہے اس لئے جماعت تجرباتی طور پر انتخابی سیاست کی راہ اپنا رہی ہے۔ اگر اس میں ناکامی ہوئی تو وہ اپنے اصل راستے یعنی معاشرے کو جڑ سے ٹھیک کرنے کے طریقے کی طرف واپس لوٹ جائے گی۔ مولانا مودودی کا یہ اعلان ان کی کتاب “اسلامی ریاست” کے آخری صفحات میں ایک سوال کے جواب کی صورت میں ان کی اس فکر کے ایک ناقابل تردید دستاویزی ثبوت کے طور پر موجود ہے۔ انتخابی طریق کار کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب کے صفحہ نمبر 718 پر وہ کہتے ہیں: “ہم اس وقت پہلے طریقے کو آزما رہے ہیں۔ اگر اس میں ہم کامیاب ہو گئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان کے قیام کے لئے ہماری قوم نے جو جدوجہد کی تھی اسی کی بدولت اسلامی نظام کے نصب العین تک پہنچنے کے لئے ایک سہل ترین اور قریب ترین راستہ ہمارے ہاتھ آگیا لیکن اگر خدانخواستہ ہمیں اس میں ناکامی ہوئی تو.... اس صورت میں ہم پھر دوسرے طریقے پر کام شروع کر دیں گے جس طرح پاکستان بننے سے پہلے کر رہے تھے”۔

اور اس طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی کہتے ہیں: “دوسرا طریقہ یہ ہے کہ معاشرے کو جڑ سے ٹھیک کرنے کی کوشش کی جائے اور ایک عمومی تحریک اصلاح کے ذریعے سے اس میں خالص اسلامی شعور و ارادہ کو بتدریج اس حد تک نشوونما دیا جائے کہ جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے تو خود بخود اس سے ایک مکمل اسلامی نظام وجود میں آجائے”۔ واقعاتی شہادتوں سے واضح ہے کہ 1970ء کے انتخابی تجربے کے بعد مولانا مودودی جماعت اسلامی کو دوبارہ اس دوسرے راستے پر ڈالنے کے خواہش مند تھے لیکن معاملات ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے۔”

طلوع اسلام کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ پھر سے اسی طرح قرآنی خطوط پر متشکل کر دیا جائے جس طرح یہ نبی اکرمؐ کے عہد مبارک و ہمایوں میں متشکل تھا۔ طلوع اسلام کے مطابق یہ ایک حقیقت ہے جس سے ہر صاحب نظر واقف ہے کہ فکری رہنمائی اور عملی طریقہ کار دو الگ الگ شعبے ہیں۔ قرآنی رہنمائی زندگی کی مستقل اقدار

اور اصولی حدود کی شکل میں ملتی ہے۔ یہ اقدار و حدود غیر متبدل ہیں۔ قرآن وہ طریقے متعین نہیں کرتا جن کے مطابق ان اقدار و اصول کو ایک نظام یا معاشرہ کے محسوس پیکر میں منتقل کیا جائے۔ یہ طریقے، حالات کے تقاضے کے مطابق، ہر دور، اور ہر دور کے مختلف اوقات میں مختلف ہونگے اور عندالضرورت ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان طریقوں کو متعین نہیں کیا۔ یہ جو ہمارے ہاں، اسلامی نظام کے سمجھنے کے سلسلہ میں اس قدر الجھنیں پیدا ہو رہی ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ اس لئے علامہ اقبالؒ نے اپنے آپ کو فکری مباحث تک محدود رکھا اور حصول مقصد کے لئے طریقہ کار تجویز نہیں کیا۔ یہ اقبالؒ کی دیدہ وری اور دورنگہی تھی جو انہوں نے عملی طریقہ کار کو اس مرد سیاست دان (قائداعظمؒ) کے سپرد کر دیا جس کی فراست اور دیانت پر انہیں اعتماد تھا۔

انسان کی طبیعی زندگی کا جبلی تقاضا مفاد خویش کا تحفظ ہے۔ اسے کسی دوسرے کے مفاد کی کوئی فکر اور پرواہ نہیں ہوتی۔ اس لئے جو تقاضا، قرآنی نظام کا سنگ بنیاد قرار پاتا ہے، وہ اسے اس کے جبلی تقاضوں سے بلند لے جاتا ہے۔ یہ (حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے والے) عام انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے خاص انداز کے انسان کی ضرورت ہے۔ اور انسانیت سازی درحقیقت قرآنی تعلیم کا مقصود ہے۔ اسی داخلی انقلاب سے وہ جذبہ محرکہ پیدا ہوتا ہے جس سے انسان اتنے بڑے ایثار کے لئے بطیب خاطر تیار ہو سکتا ہے۔ اس نظام کی تشکیل کے لئے جب نبی اکرمؐ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو اس وقت (حضورؐ کے سوا) دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا۔ آپؐ نے اس نظام نو کے اصول و اقدار اپنی قوم کے سامنے پیش کئے اور پیش کرتے چلے گئے۔ قوم نے اس دعوت کی مخالفت کی لیکن ان میں سے ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے اس پر سکون و اطمینان سے غور کیا اور اس کے بعد، جب وہ صداقت کے متعلق دل اور دماغ کی کامل رضامندی سے مطمئن ہو گئے تو انہوں نے اسے قبول کرنے کا اقرار کیا اور اس طرح اس سوسائٹی کے ممبر بن گئے جس کی طرف حضور دعوت دیتے تھے جو اپنے قلب و دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ، اس نظام کی صداقت کے قائل ہو چکے تھے۔

جو لوگ اس طرح ممبر بنتے تھے، ان کی تعلیم و تربیت خود نبی اکرمؐ فرماتے تھے۔ قرآن کریم نے جو حضورؐ کی یہ خصوصیت کبریٰ بیان کی ہے کہ **یعلمھم الکتب ولحکمته و یزکیھم** تو وہ اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہے۔ یعنی حضورؐ انہیں اس نظام کے قوانین و ضوابط کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کی حکمت و غایت سے آگاہ کرتے تھے اور اس طرح ان کی انسانی صلاحیتوں کی نشوونما کرتے چلے جاتے تھے۔ صلاحیتوں کی نشوونما سے مراد صرف ذہنی صلاحیتیں نہیں بلکہ ان صلاحیتوں کا ارتقاء اور نشوونما بھی شامل ہے جن کی بنیادوں پر انسانی سیرت و کردار کی بلند و بالاعمارت استوار ہوتی ہے۔ اسے انسانی ذات کی نشوونما کہا جاتا ہے اور آدمی حیوانی سطح سے بلند ہو کر انسانی سطح پر زندگی بسر کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور یہی چیز جذبہ محرکہ بنتی ہے اس عظیم ایثار کا جس پر اس نظام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ جب ان میں سیرت و کردار کی اس قسم کی پاکیزگی اور پختگی پیدا ہو جاتی تھی تو ان سے عہد لیا جاتا تھا جو درحقیقت اسلامی نظام ربوبیت کی اساس ہے۔ یعنی یہ عہد کہ **ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنة** (9:111)۔ "یہ حقیقت ہے (یونہی ذہنی عقیدت مندی نہیں) کہ مومنین نے اپنا مال اور اپنی جان خدا کے ہاتھوں فروخت کر دیئے ہیں اور خدا نے انہیں جنت کے عوض خرید لیا ہے"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

درود شریف کی غلط عبارت کی نشاندہی پر علماء حضرات کی تلملاہٹ

راقم نے گذشتہ دنوں "درود شریف کی عبارت میں ایک سنگین غلطی کی نشاندہی کر کے، علماء حضرات کے غصے کو دعوت دی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ لوگ کہنے لگے کہ جب انہیں درود شریف کی صحیح عبارت کا علم نہیں تو انہیں اسلام کے دوسرے مسائل کا کیا علم ہو گا۔ ان حضرات نے اگرچہ اپنے رسائل و جرائد میں درود شریف کی صحیح عبارت کا استعمال شروع کر دیا ہے لیکن اپنا جھوٹا بھرم قائم رکھنے کے لئے یہ دعویٰ بھی کر رہے ہیں کہ درود شریف کی غلط عبارت بھی ٹھیک ہے۔

شاہی مسجد کے سابق خطیب مولانا غلام مرشد فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مولوی صاحبان بغیر کسی موضوع کے تین تین گھنٹے تقریریں کر سکتے ہیں اور چونکہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اپنی تقاریر میں کیا ارشاد فرما رہے ہیں اس لئے وہ اپنے بیان کردہ دعوؤں کی بعد میں تردید بھی کرتے جاتے ہیں۔ ان کا یہ ارشاد ہمیں مولوی محب اللہ نوری صاحب کے اس مضمون پر یاد آیا جو انہوں نے راقم کی طرف سے درود شریف کی غلطی کی نشاندہی پر تحریر کر کے اپنے ماہنامہ نور الحبیب کے نومبر 2000ء کے شمارے میں شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں وہ راقم پر جو کیچڑ اچھالتے ہیں بعد میں خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے صاف کرتے جاتے ہیں۔ وہ حسب معمول عام علماء کی طرح اپنے مضمون کی ابتداء راقم پر ان الفاظ میں کیچڑ اچھال کر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں :

"پروفیسر صاحب نے درود کے صیغہ پر اعتراض کرتے ہو بہت سی علمی ٹھوکریں کھائی ہیں، یہاں تک کہ انہوں ایک ایسا قاعدہ بیان کر دیا جس سے ان کی عربیت کا سارا بھر کھل جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ اسم ضمیر پر اسم ظاہر کا عطف نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ خود ساختہ قاعدہ بالکل غلط ہے۔ عربی زبان کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ضمیر مرفوع یا منصوب پر اسم ظاہر کا عطف بالاتفاق جائز ہے۔ (صفحہ 35)۔

راقم نے عرض کیا تھا کہ عربی گرامر کو قرآن و حدیث کے متون کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا تھا، اس لئے وہ اس کے لئے صحیح سند ہیں جس فرقہ کے لوگوں نے اس غلط عبارت والے درود کو مروج کیا تھا۔ وہ پھر بھی بڑے نیک اور دیانتدار لوگ تھے۔ انہوں نے اس بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی تحریف کرنے کی بجائے، یہ تسلیم کیا کہ ان کے اس اقدام کی قرآن و حدیث سے تائید نہیں ہوتی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے عربی اشعار سے استدلال کیا تھا۔ ان کا مسلک خود نوری صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

"جمہور نحویوں نے ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کے عطف کے لئے اعادہ جار کو ضروری قرار دیا ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ ضروری نہیں کیونکہ اعادہ جار کے بغیر یہ عطف نظم و نثر میں سماعا" وارد ہے"۔ (شرح علامہ ابن عقیل علی الفیہ مطبوعہ مصر، ص 136)۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ جن لوگوں نے اس غلط عبارت والے درود کو رواج دیا۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمہور نحویوں کے نزدیک یہ غلط ہے اور نہ ہی قرآن و حدیث سے اس کی کوئی سند ملتی ہے، اس مقصد کے لئے انہوں نے عربی اشعار کا سہارا لیا۔ لیکن نوری صاحب دعوئے کرتے ہیں کہ درود کی یہ غلط عبارت بالاتفاق جائز ہے۔ خیال رہے کہ اشعار میں شعری ضروریات کے لئے گرامر کے اصولوں کا خیال نہیں کیا جاتا۔ صرف عربی الفاظ کی لغوی تحقیق کے لئے ان سے استناد کیا جاتا ہے۔ لیکن جن بیچارے لوگوں کو قرآن و حدیث سے کوئی سہارا نہیں ملتا وہ عربی اشعار کا جھوٹا سہارا لیتے ہیں۔

خیال رہے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ جن حضرات نے درود شریف کی اس غلط عبارت کو رواج دیا تھا وہ پھر بھی دیانتدار لوگ تھے انہوں نے اس مقصد کے لئے قرآن و حدیث میں کسی قسم کی تحریف کرنے کی جرات نہ کی۔ لیکن ہمارے یہ علماء حضرات ایسا کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ راقم نے یہ دعوئی کیا تھا کہ احادیث کے 47 مجموعوں میں اس غلط عبارت والے درود کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ اس کے جواب میں نوری صاحب فرماتے ہیں:

"احادیث سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہو۔ **الھم صلی علی محمد وعلی آل محمد**" (صحیح مسلم جلد اول، صفحہ 175)

نوری صاحب اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ حدیث شریف کی اس عبارت میں عربی گرامر کے اعلیٰ اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے یہاں محمد پر آل کا عطف بغیر حرف جار "علی" کے بھی جائز تھا۔ لیکن اس کے باوجود حرف جار "علی" کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ یہی صورت نماز میں پڑھے جانے والے درود کی ہے کہ وہاں اسم ظاہر پر آل کا عطف کرتے وقت لفظ جار علی کا دوبارہ اعادہ کیا گیا ہے۔ اور یہی چیز راقم نے علماء حضرات کے گوش گزار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جس فرقہ کے لوگ یہ حرف جار "علی" اسم ظاہر آل سے پہلے استعمال نہیں کرتے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ "آل" بھی نبوت میں شامل تھی، اور حرف جار "علی" لگانے سے وہ علیحدہ ہو جاتی ہے۔ اب نوری صاحب کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ درود کی اس غلط عبارت کی عقیدہ ختم نبوت پر کیا زد پڑتی ہے!

اب دیکھئے نوری صاحب اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کس طرح قرآن مجید کی محکمیت کو نہ صرف مجروح کرتے ہیں بلکہ شرک جیسے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"**واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام** (النساء: 1)۔ یہاں سات مشہور و متواتر قراتوں میں سے ایک قرات والارحام میم کی جر کے ساتھ ہے اور اس کا عطف بہ میں ضمیر مجرور پر ہے۔" (صفحہ 38)

امت مسلمہ میں اس وقت مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک قرآن مجید کے جو نسخے متداول ہیں، ان میں ایک زبر یا زیر کا فرق نہیں بلاشبہ ضعیف روایات میں مختلف قراتوں کا ذکر ہے، اگر ان قراتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر قرآن مجید کی محکمیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی آیات میں سینکڑوں اختلاف پیدا ہو جائیں۔ حالانکہ خود قرآن مجید کا یہ دعوئی ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہی نہیں اس آیت کے معانی میں بنیادی فرق پیدا ہو جائے گا، اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ جس سے تم اپنی مرادیں مانگتے ہو، اس سے ڈرو اور اپنے رشتہ داروں سے ڈرو۔۔ اب اگر ارحام کے میم کے نیچے ایک کمزور روایت کی بنا پر زیر پڑھا جائے تو پھر اس میں رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا جائے گا

یعنی اللہ اور رشتہ داروں جن دونوں سے تم اپنی مرادیں مانگتے ہو ان کا خوف کرو۔ دیکھو کس طرح قرآن مجید میں تحریف کر کے شرک کا ارتکاب کیا جا رہا ہے !۔

موجودہ دور کے علماء سے تو اس فرقے کے علماء زیادہ دیانت دار تھے کہ جنہوں نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ ان کا مسلک جمہور نحویوں کے بھی خلاف ہے اور قرآن و حدیث سے بھی انہیں کوئی سند نہیں ملتی، انہوں نے اس مقصد کے لئے عربی اشعار سے استدلال کیا۔ جن کے بارے میں یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ اہل علم کے نزدیک ایسا استدلال قابل قبول نہیں ہے۔ اس بارے میں نوری صاحب قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے استدلال کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

”**وصد عن سبیل الله و کفر به والمسجد الحرام**
(سورت البقرہ، 217)۔

اس آیت میں المسجد الحرام اسم ظاہر کا عطف بہ کی ضمیر مجرور پر ہے“۔ (صفحہ 37)۔

نوری صاحب کو اگر عربی گرامر کی تھوڑی بہت شد بد بھی ہوتی تو وہ یوں قرآن مجید میں تحریف کرنے کی جسارت نہ کرتے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عربی زبان میں ”واو“ سولہ مقاصد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے

(1) واؤ عاطفہ یعنی خبر کا عطف خبر پر اور امر کا عطف امر پر (2) واؤ بمعنی لیکن (3) واؤ بمعنی کیونکر (4) واؤ برائے اظہار حقیقت (5) واؤ بمعنی بلکہ (6) واؤ بمعنی جبکہ (7) واؤ تفسیر بمعنی یعنی (8) واؤ بمعنی اس لئے (9) واؤ بمعنی حالانکہ (10) واؤ بمعنی تو، پھر، پس (11) واؤ بمعنی اظہار صفت (12) واؤ بمعنی بذریعہ (13) واؤ بمعنی برائے او بمعنی یا (14) واؤ استیناف (15) واؤ بمعنی معیت (16) واؤ برائے قسم۔

ان تمام مفاہیم میں واؤ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اوپر والی تفصیلات میں بتایا جا چکا ہے کہ واؤ عاطفہ سابقہ خبر یا امر پر عطف ہوتا ہے یعنی اس کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو پہلے حکم یا خبر کا ہوتا ہے لیکن اس آیت میں یہ صورت نہیں۔ بلکہ ایسا کرنے سے آیت کا مفہوم ہی غلط ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں واؤ استیناف استعمال ہوا ہے، جس کا مقصد سابقہ جملہ میں بیان شدہ معاملے کی وضاحت کرنا ہوتا ہے۔ اس آیت کے ٹکڑے کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی مسجد حرام سے روکنا ہے، مسجد حرام، سبیل اللہ کی تشریح ہے۔ اور اگر نوری صاحب کے غلط استدلال کو مان لیا جائے تو پھر اس کے معنی ہونگے مسجد حرام سے کفر کرنا۔ مسجد حرام سے کفر نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس میں جانے سے روکا جاتا تھا۔ کتنا بودا استدلال ہے !

آخر میں نوری صاحب فرماتے ہیں :

”حضور ﷺ نے اپنے اہل بیت کو خود درود میں شامل کیا ہے اور مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔ حتیٰ کہ وہ فرمان رسول کی تعمیل کرتے ہوئے نماز میں بھی آل محمد پر درود بھیجتے ہیں“

جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے کہ نماز میں ہم جو درود پڑھتے ہیں اس میں عربی گرامر کے اعلیٰ اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسم ظاہر پر ”آل“ کا عطف بغیر حرف جار ”علی“ کے جائز تھا لیکن اس کے باوجود حرف جار ”علی“ کو دوبارہ لایا جاتا ہے یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ درود شریف کو ہر قسم کی تحریف سے بچایا جائے۔ جس کا ارتکاب ہمارے نیم تعلیم یافتہ مولوی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ نوری صاحب نے راقم پر اس قدر کیچڑ اچھالنے کے باوجود درود شریف کی صحیح عبارت کو تسلیم کر لیا ہے اب انہوں نے اپنے ماہنامہ کے اس شمارے میں درود شریف کی صحیح عبارت دی ہے یہی حالت دوسرے علماء حضرات کی ہے انہوں نے باوجود اپنی تلملاہٹ کے درود شریف کی صحیح عبارت استعمال کرنی شروع کر دی ہے، ان میں فرقہ اہل حدیث کا ترجمان ”محدث“ بھی شامل ہے۔ میں اس امر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس ناچیز نے جمہور علماء کی ایک سنگین غلطی صحیح کرنے کا فخر حاصل کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی، پشاور

فقہ حنفی کی دفعہ وار تدوین

(نظام فوجداری)

(قسط دوم)

گذشتہ قسط میں آپ تعزیر اور قصاص کی تعریفیں پڑھ چکے ہیں۔ اب محولہ کتاب میں زنا کی تعریف پر کچھ عرض کروں گا۔ کتاب میں موجود دفعہ وار تدوین کو پاکستان کے آئین کے برابر مقام اپنے دفعات کو آرٹیکل کہہ کر برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس طرح آرٹیکل 2 میں زنا کی تعریف کچھ اس طرح ہے۔

"شرعی اصطلاح میں زنا سے مراد کسی عاقل بالغ مرد کا کسی ایسی عاقل و بالغ عورت کے ساتھ اندام نہانی (Vulva) کے راستے مباشرت کرنا ہے۔ جو اس کے نکاح یا ملک میں نہ ہو اور نہ ان کے آپس میں نکاح یا ملک کا شبہ پایا جاتا ہو"۔

تشریح: زنا کی یہی تعریف جمہور فقہائے حنفیہ سے مروی ہے۔

شبہ کی تعریف: فقہی اصطلاح میں شبہ (Doubt) ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جو خود تو ثابت نہ ہو لیکن ثابت کے مانند ہو۔

زنا کی تعریف کو اگر بغور پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی کے ساتھ بدفعلی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ زنا کے لئے یہ شرائط بھی ضروری قرار پائی ہیں کہ وہ عاقل بھی ہو اور ساتھ ساتھ بالغ بھی ہو۔ یعنی اگر کبھی ایسا ہو کہ لڑکا تو بالغ اور کوئی لڑکی بالغ نہیں تو اس صورت میں اسے زنا نہیں کہا جائے گا یا اس کی مخالف صورت بھی ہو سکتی ہے۔ آپ خود سوچیں زنا کی اس سے پھیکی تعریف اور کیا ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم کے نزدیک کسی مرد کا کسی عورت کے ساتھ بدوں نکاح مباشرت کا نام زنا ہے۔ اور اس کی حد مقرر ہے۔ اس کے لئے عقل مند ہونا یا بعض حالات میں بالغ ہونا مشروط نہیں۔ اسی طرح اگر کسی بھی لونڈی کے ساتھ (یاد رہے آج کے دور میں لونڈیوں کا رکھنا ایک قبیح عمل سمجھا جاتا ہے اور قرآن کریم نے اسے ختم قرار دیا ہے) بلا نکاح مباشرت کرے تو وہ زنا کی تعریف میں آئے گا۔ چونکہ اس قسم کی تعریفیں دور ملوکیت میں تیار کی گئی تھیں اور وہی تعریفیں آج بھی زبان زد عام ہیں۔ ان تعریفوں کو اس لئے مقدس سمجھا جا رہا ہے کہ ان پر تقریباً ایک ہزار سال گزر گئے ہیں اور ہمارے ہاں جس عمل پر چند صدیاں گزر جائیں وہ عمل مقدس قرار پا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں انسان کی وضع کی ہوئی تعریف پر چند صدیاں گزرنے کے بعد وہ تعریف آج کے دور میں نہ تو مکمل نظر آتی ہے اور نہ ہی دور حاضر کا ساتھ دے سکتی ہے۔ یہ اعجاز صرف اور صرف قرآن کریم کا ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے کا ساتھ دے رہا ہے۔ فقہا نے زنا کی مندرجہ بالا تعریف کی ہے۔ اب اسی لفظ زنا کو لغت میں دیکھتے ہیں۔ جس کی سادہ الفاظ میں تعریف کی گئی ہے۔ زنا۔ غیر عورت سے صحبت کرنا۔ (فیروز اللغات) میں سمجھتا ہوں اس سے جامع تعریف دوسری

نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ غیر عورت کون ہو سکتی ہے۔ اب ذرا فقہائے حنفیہ کے نزدیک شبہ کی تعریف بھی دیکھ لیتے ہیں۔

(1) شبہ فعل (Doubt to Act)

(2) شبہ محل (Doubt to Subject)

شبہ فعل :- شبہ فعل آٹھ موقعوں پر وارد ہو کر حد کو ساقط کر دیتا ہے۔ (ان آٹھ موقعوں میں کس کس قسم کی گریز کی راہیں تلاش کی جا رہی ہیں۔ انہیں ذرا غور سے پڑھئے اور پھر اپنی رائے کو محفوظ رکھئے۔ حد اس سزا کا نام ہے جس کا تعین اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ آٹھ موقعوں پر اگر شبہ وارد ہو جائے تو حد ختم ہو جائے گی۔ راقم)

اولا” :- کسی شوہر کا اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ دوران عدت مباشرت کرنے پر جبکہ اسے حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔

(کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو، اسے طلاق کا علم ہو ساتھ ہی اسے عدت کا بھی پتہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس خاتون کو بھی عدت کا علم ہو اور وہ مباشرت کریں۔ یہ دونوں باتیں اتنی عام ہیں کہ شاید ہی کوئی ہو جس کا اسے علم نہ ہو۔ پھر یہ کہنا کہ اگر ایسا ہو جائے تو اس پر حد کا نفاذ نہیں ہو گا۔ ایک مذاق نہیں تو اور کیا ہے، راقم)

ثانیا” :- کسی شوہر کا اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ دوران عدت مباشرت کرنے پر، جب وہ خلع پر طلاق حاصل کر چکی ہو اور شوہر کو حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔

(اس پر رائے اوپر دے دی گئی ہے۔ البتہ یاد رہے کہ قرآن کریم میں طلاق کی تفصیل موجود ہے لیکن خلع کا کہیں ذکر نہیں آیا ہے۔ یہ عورت کو محض سزا دینے اور لٹکائے رکھنے کے لئے وضع کردہ تصور ہے۔ راقم)

ثالثا” :- ماں کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر، جبکہ بیٹے کو حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔

(سب سے پہلے تو یہ بڑا عجیب تصور ہے کہ عورت کسی عورت کی لونڈی رہے۔ مرد کی لونڈی کی تو کوئی بات بھی بنتی ہے لیکن عورت کی لونڈی عجیب سا لگتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اسے خدمت کے لئے رکھا گیا ہے تو پھر اس بیٹے کو سولی پر چڑھانا چاہئے جو ماں کی خدمت گزار کے ساتھ مباشرت کرے۔ آپ انصاف کریں کہ اس بیٹے کو اس لئے معاف کر دیا جائے کہ اس نے ماں کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کی ہے لہٰذا اسے شبہ کا فائدہ دیا جائے اور حد ساقط کر دی جائے۔ یا للعجب ! راقم)

رابعا” :- باپ کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر جبکہ بیٹے کو حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔

(پھر وہی بات ! باپ کی لونڈی اور بیٹا اس کے ساتھ مباشرت کرے اور اسے حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔ دو سال کے بیٹے سے تو اس قسم کی لاعلمی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ مگر جو بیٹا مباشرت کر سکے اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اسے اس کا علم نہ ہو۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں آپ جائیں تو آپ کو ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جو زنا یا مباشرت کے قانونی جواز سے بے خبر ہو۔ انسان اور حیوان میں بس یہی ایک فرق ہے۔ راقم)

خامسا” :- بیوی کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر، جبکہ شوہر کو حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔

(کیا ایسا کوئی خاوند دنیا میں دستیاب ہے جو بیوی کو نکاح میں رکھے اور بیوی کی لونڈی کے ساتھ حرمت مباشرت سے لاعلم ہو۔ کیا گریز کی راہیں ہیں اور حیلہ سازی ہے۔ راقم)

سادسا” :- مالک کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر جبکہ غلام کو حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔

(کتنا خوش قسمت ہو گا وہ غلام جو مالک کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرے اور اسے حرمت مباشرت کا علم نہ ہو! ایسے حالات میں مالک بے چارے کو حرمت مباشرت کا علم نہیں، غلام تو دور کی بات ہے۔ راقم)

سابعا” :- اپنی ام ولد کے ساتھ مباشرت کرنے پر جبکہ مالک کو حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔

(اس سے پہلے کہ اس پر کچھ کہا جائے۔ ام ولد کی تعریف ضروری ہے۔ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس نے اپنے مالک کے نطفے سے کوئی اولاد جنی ہو۔ ایسی لونڈی مالک کی وفات کے بعد خود بخود آزاد ہو جاتی ہے اور ترکے میں وارثوں کو نہیں ملتی۔ ذرا غور فرمایئے کہ ترکے میں انسان کو بھی وارثوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لونڈی ایک ہو اور وارث دو ہوں تو کس کے حصے میں لونڈی کا کونسا حصہ آئے گا۔ یہاں تقسیم دو کی نہیں اگر ورثا زیادہ ہوں اور اس میں عورتیں بھی وارث ہوں تو پھر کیا ہو گا۔ یہ ہے وہ فقہ جس کو رائج کرنے کے لئے کوشش کی جا رہی ہے۔)

ثامنا” :- اپنی رہن شدہ لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر جبکہ مرتہن نے اس کا قبضہ نہیں لیا ہو اور مالک کو حرمت مباشرت کا علم نہ ہو۔ (ابھی تک تو ہم لونڈی کے متعلق اتنا ہی سمجھ سکے تھے کہ لونڈی کو ورثا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم نے یہ بھی پڑھ لیا کہ لونڈی کو رہن بھی رکھا جا سکتا ہے اور پھر زمین یا جائیداد کی طرح اس کا قبضہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ قبضہ لینے کے لئے تو ہمیں بعض اوقات پولیس اور مجسٹریٹ کی خدمات حاصل کرنا پڑتی ہیں اب اگر یہی صورت حال رہی اور اسلامی فقہ کا نفاذ ہوا تو لونڈی کے قبضہ کے حصول کے لئے بھی پولیس اور مجسٹریٹ کی خدمات حاصل کرنا پڑیں گی اور وارنٹ دخل بھی جاری ہو گا۔ اس قسم کی اسلامی خدمات پر کتنی توانائی اور پیسہ ضائع ہوتا ہے پھر جب غیر مسلم کوئی تنقیدی کتاب شائع کرتے ہیں تو ہم کتنا جز بز ہو جاتے ہیں اور اپنے ہی لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بننا اور بنانا پڑتا ہے۔ بس اتنی عرض کی جا سکتی ہے کہ خدارا حکومتی سطح پر کوئی ایسا بورڈ قائم کیا جائے جو رفتہ رفتہ ان تمام غیر اسلامی فقہی قوانین کو قرآن کریم کی روشنی میں پرکھے، اسے نافذ کرے تاکہ آنے والی نسلیں دین مبین پر عمل پیرا ہوں ایسے قوانین وضع کئے جائیں جس پر آہستہ آہستہ تمام "فرقے" اور جدید اصطلاح میں "مکاتب فکر" متفق ہو سکیں۔ راقم)

یہاں پر مصنف نے زانی کو ایک رعایت دی ہے۔ فرماتے ہیں، البتہ مذکورہ تمام صورتوں میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مباشرت کرنے والے نے حرمت مباشرت کے علم کے باوجود مباشرت کا ارتکاب کیا ہے تو اسے زنا کی سزا دی جائے گی۔

سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کونسا زانی ہو گا جسے اس کا علم نہ ہو۔ پھر اگر علم ہوتے ہوئے بھی وہ انکار کر دے تو بڑی آسانی سے وہ سزا سے بچ جائے گا۔ یہ ہیں وہ گریز کی راہیں جن کو اپنا کر معاشرہ میں جرائم کی رفتار کو تیز کر دیا جاتا ہے۔ فقہ میں اگر اس قسم کی گریز کی راہیں نہ ہوتیں تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ آگے فرماتے ہیں۔ دل تھام لیجئے!

اس کے برعکس شبہ محل صرف چھ موقعوں پر وارد ہو سکتا ہے۔

اولا” :- طلاق بائن کے بعد اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ حرمت مباشرت کے علم کے باوجود مباشرت کرنے پر۔

(یاد رہے قرآن کریم میں طلاق کی اقسام کا کوئی ذکر نہیں۔ طلاق کی اقسام صرف فقہ کی پیدا کردہ ہیں۔ یعنی طلاق بائن کی

صورت میں مباشرت کرنے پر سزا ساقط ہو جائے گی۔ بائن اس طلاق کا نام ہے جس میں رجوع نہ ہو۔ راقم)

ثانیاً:- ایسی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر جو فروخت کی گئی ہو لیکن خریدنے والے نے اس کا قبضہ نہیں لیا ہو۔

(لو جی! ہونٹر گل کر لو! اگرچہ قلم کو حیا اور شرم محسوس ہو رہی ہے لیکن کیا کیا جائے۔ میں نے تو لونڈی کو بیچ دیا ہے اور ابھی قبضہ نہیں دیا۔ اس کے ساتھ اس وقت تک مباشرت کا حق رکھتا ہوں جب تک قبضہ نہیں دیا ہو۔ یہ ہے ملوکیت کی وہ فقہ جو نافذ کی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ آج پاکستان میں کتنے لوگ ہیں جنہوں نے لونڈیاں فروخت کر دی ہیں اور ابھی قبضہ نہیں دیا۔ راقم)

ثالثاً:- کسی ایسی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر جو بیوی کو مہر میں دی گئی ہو لیکن بیوی نے اس کا قبضہ نہیں لیا ہو۔

(خدارا تھوڑا سوچئے! وہ بیوی دل میں کیا کہے گی کہ مساۃ صغراں بی بی مجھے مہر میں ملی ہے اور میرا شوہر قبضہ دینے سے پہلے اس کے ساتھ مباشرت کر رہا ہے اور میں بیٹھی منہ تک رہی ہوں اس لئے کہ وہ مرد ہے اور اسے حق حاصل ہے کہ چاہے تو من منکوحہ کے ساتھ مباشرت کرے اور چاہے تو اس وقت تک اس لونڈی کے ساتھ مباشرت کرے جب تک اس کا جی چاہے اور پھر ایک دن مجھے یہ کہے کہ یہ لو اپنی لونڈی! اب تمہارے قبضہ میں آگئی لہذا مجھ سے بری الذمہ ہے۔ اف! بے چاری لونڈی۔ راقم)

رابعاً:- کسی ایسی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر جو مباشرت کرنے والے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو۔

(یہاں تک تو میں یہی سمجھا تھا کہ لونڈی کی مثال زمین یا جائیداد کی مانند ہے۔ جس کا قبضہ لیا اور دیا جا سکتا ہے۔ اب یہ بھی معلوم ہوا کہ لونڈی کھاتہ شریک بھی ہو سکتی ہے۔ راقم کی حیرانگی کی انتہا ہے اس بات پر کہ اب تک ان لونڈیوں کا کاغذات مال میں کیوں اندراج نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہی فقہ نافذ کر دی گئی تو پھر عین ممکن ہے کہ کاغذات مال میں لونڈیوں کا اندراج بھی ہو جائے گا۔ شاید کاغذات مال میں کسی ایسے خانے کو شامل کیا جائے جس میں ایک خانہ عمر اوردوسرا صحت تیسرا قبضے' اور چوتھا لونڈی سے لگان کی وصولی کا بھی ہو جائے اور تو کچھ نہیں کہہ سکتا بس انصاف چاہتا ہوں۔ اور ان دماغوں کو داد دیتا ہوں جنہوں نے اتنی کاوش' کوشش' جدوجہد اور باریک سے باریک قانونی نکتوں کو اجاگر کر کے اسلام کی بھرپور خدمت کی ہے۔ خداوندا۔ انہیں تو ہی اجر دے سکتا ہے ہم کچھ نہیں دے سکتے۔ کتنے بڑے فقیہہ تھے وہ لوگ جنہوں نے ان پیچیدہ قانونی گتھیوں کو سلجھایا اور قانون کی نئی نئی راہیں نکالیں۔ اغیار نے ستاروں پر کمندیں ڈالیں ہم ابھی رہن شدہ لونڈی کو آزاد کرنے کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں۔ راقم)

خامساً:- رہن شدہ لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر۔

(آپ کی یاد دہانی کے لئے ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ پڑھ رہے ہیں اس میں مباشرت کرنے پر حد کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ ذرا مزید وضاحت کرتا چلوں۔ یعنی اگر آپ کے پاس کوئی لونڈی رہن ہے تو آپ اس کے ساتھ بے شک مباشرت کریں' سزا نہیں ہو گی' حد ساقط ہو جائے گی کتنا آسان نسخہ ہے۔ اسے بڑی آسانی سے آزمایا جا سکتا ہے۔ راقم)

سادساً:- اپنے بیٹے کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرنے پر۔

(کتنا لعنتی ہو گا وہ معاشرہ جس میں باپ بیٹا ایک ہی لونڈی

(عورت) کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو۔ لعنت ہو اس باپ پر جس کی لونڈی کے ساتھ اس کا بیٹا مباشرت کرے اور پھر خود اس بیٹے پر جو باپ کی لونڈی کے ساتھ مباشرت کرے۔)

مصنف نے آخر میں تمام تفصیل کو سمیٹتے ہوئے لکھا ہے۔

"آخر الذکر چاروں صورتوں میں شبہ کے نتیجے میں حد ساقط ہو گی۔ قطع نظر اس کے کہ مباشرت کرنے والے کو حرمت مباشرت کا علم ہو یا نہ ہو۔"

آج سے تقریباً" ہزار سال پہلے کے فقہا نے جو تحقیق کی وہ دراصل دور جاہلیت سے متعلق تھی۔ لیکن جب قرآن کریم کی روشنی آئی تو یہ سب کچھ دور جاہلیت کی یادگار قرار دے دی گئی۔ مرد اور عورت دونوں واجب التکریم قرار پائے۔ انسان ہونے کے ناطے مرد اور عورت "احسن تقویم" ہیں اسی لئے واجب التکریم ہیں۔ البتہ اللہ کے ہاں دونوں میں سے وہی مقرب ہو گا جو اس کے قوانین پر عمل پیرا ہو۔

اس کے بعد ہم آرٹیکل 3 پر کچھ عرض کریں گے۔ ہر آرٹیکل پہلے سے زیادہ دلچسپ اور "دلکش" ہے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

عطیات برائے کراچی بلڈنگ پراجیکٹ

-1	معرفت بزم طلوع اسلام کراچی۔	30,000 روپے
-2	معرفت بزم طلوع اسلام کراچی۔	5,000 روپے
-3	معرفت بزم طلوع اسلام کراچی۔	50,000 روپے
-4	بذریعہ رشید قریشی بزم طلوع اسلام مانچسٹر	8,600 روپے
-5	ڈاکٹر اسلم نوید بورے والا۔	2,000 روپے
-6	معرفت بزم طلوع اسلام کراچی۔	13,000 روپے
-7	بزم طلوع اسلام چنیوٹ۔	800 روپے
-8	محترمہ امبرین الیاس۔	200 روپے
-9	بزم طلوع اسلام گوجرانوالہ۔	1,000 روپے
-10	محترم اقبال۔	5,000 روپے
-11	محترم اعظم۔	500 روپے
-12	محترمہ کونسلر شمع احمد و محترم محمود احمد، لندن۔	82,000 روپے
-13	محترم محمد تصویر، محترم لیاقت علی، محترم محمد یاسین، محترم محمد احسان، محترم محمد صغیر، محترم محمد خان معرفت بزم طلوع اسلام لندن۔	100,000 روپے
-14	محترم محمد اشفاق، ایسٹ ہام معرفت بزم طلوع اسلام لندن۔	8,000 روپے
-15	محترم جانس خان ایڈووکیٹ درگئی، ملاکنڈ۔	1,000 روپے
-16	بذریعہ بزم طلوع اسلام لندن۔	82,000 روپے
-17	تحریک طلوع اسلام کا ایک خیر خواہ۔	50,000 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ڈاکٹر منصور الرحمٰن، پشاور)

"سنت نبویؐ سے ذہنی امراض کا خاتمہ"

آج اکیسویں صدی کے آغاز پر ذہنی امراض ایک سیلاب کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ اگر اس سیلاب کی روک تھام نہ کی گئی اور یہ سلسلہ اسی طرح بڑھتا رہا تو پھر شائد پوری انسانیت اس سیلاب میں ڈوب جائے۔ لیکن بحث طلب بات یہ ہے کہ ان امراض کو کیسے روکا جائے۔

روک تھام کے لئے جو مختلف تجویزیں پیش ہوئی ہیں وہ یہ ہیں۔ کہ (1) ذہنی امراض کے ماہرین زیادہ سے زیادہ تعداد میں پیدا کئے جائیں۔ (2) ذہنی امراض کے ہسپتالوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ (3) ذہنی مریضوں کو علاج معالجہ کی بہتر سہولتیں مہیا کی جائیں۔ (4) علاج کے بعد ذہنی مریضوں کو معاشرے میں "مصروف" رکھا جائے تاکہ دوبارہ بیماری کے "حملے" سے محفوظ رہیں۔ معاشی طور پر اپنے لئے کچھ کما سکیں۔ (5) معاشرے کے عام افراد میں ذہنی امراض کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات مہیا کی جائیں تاکہ ان میں ذہنی مریضوں کے بارے میں ایک صحت مندانہ ہمدردانہ رویہ پیدا ہو۔ ان کی عزت اور مدد کریں تاکہ ذہنی مریضوں کو معاشرے میں اجنبیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس طرح معاشرے میں ان کی دوبارہ "آباد کاری" مسئلہ نہ بنے۔ یوں لوگوں کے تعاون سے ذہنی امراض اور ذہنی مریضوں کو قابو میں رکھا جائے۔ اس منصوبہ کو ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (W.H.O) نے Community Mental ہیلتھ کا نام دیا ہے۔

تاہم اس بات پر ابھی تک کسی نے توجہ نہیں کی کہ ذہنی امراض "کیوں" اور "کیسے" پیدا ہوتے ہیں۔ ان مسائل کی حقیقی "وجوہات" کیا ہیں۔

معاشرے میں ایسی کونسی تبدیلیاں لائی جائیں کہ یہ "وجوہات" مکمل طور پر ختم ہو جائیں۔ اس معاملے میں ہمیں اس طرح تحقیق، جستجو اور ہمت و جرات کا مظاہرہ کرنا پڑے گا جس طرح اپنے اپنے وقت میں پولیو، خسرہ اور چیچک کے خاتمہ کے لئے کیا گیا تھا۔ یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ اگر کسی علاقے میں ہیضہ یا یرقان پھیل جائے تو ان مریضوں کے علاج کرنے سے ہیضہ یا یرقان ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس "بنیادی وجہ" کو ختم کرنا ہو گا جس سے ہیضہ یا یرقان کے جراثیم جمع ہو کر بیماری پھیلاتے ہیں۔ گذشتہ صدیوں میں ان وباؤں کی روک تھام ان لوگوں کے مطالعہ یا معائنہ کے ذریعے سے کی گئی جن کو یہ بیماری نہیں ہوئی تھی۔

ایک دفعہ یہ چیز سمجھ میں آجائے تو روک تھام کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔ ذہنی امراض کی صورت میں بیکٹیریا، جراثیم یا وائرس مسئلہ نہیں بلکہ ان کی "وجوہات" مندرجہ ذیل ہیں خاص طور پر پاکستان میں (2) بے روزگاری اور معاشی مسائل (3) ازدواجی جنسی مسائل (4) بچوں کی درست تربیت کا نہ ہونا (5) بے مقصد یا بے کار زندگی کے نتیجے میں "احساس جرم" کا پیدا ہو جانا۔

ان وجوہات کی وجہ سے شخصیت کی خرابیاں، ذہنی امراض اور منشیات کا اندھا دھند استعمال، بھیانک مسائل کی

صورت میں معاشرے کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ان وجوہات کے خاتمہ یا کنٹرول کے بارے میں دو آراء بلکہ "ماہرین دماغی امراض" دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ماہرین نفسیات کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ذہنی عوارض، دماغ میں پیدا ہونے والے چند کیمیاوی مادوں کی "گڑ بڑ" کا نتیجہ ہیں اور اس بات کا کوئی حقیقی ثبوت نہیں ملا کہ ذہنی امراض، معاشرتی دباؤ اور مسائل کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر غریب لوگ، ذہنی امراض میں زیادہ گرفتار ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ غربت ذہنی مریض پیدا کر رہی ہے بلکہ ذہنی مریض کام کاج کے قابل نہیں ہوتا اس لئے وہ امیر سے غریب اور غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے یہ گروہ، معاشرے میں جاری سرمایہ دارانہ نظام اور والدین کی بچوں کی تربیت سے غفلت جو کہ اپنی نام نہاد آزادی کی آڑ میں کرتے ہیں، اس کو تحفظ دیتے ہیں۔

ماہرین کے اس گروہ کے مطابق دماغ پر زیادہ سے زیادہ تحقیق کی جائے۔ ہر دماغی مرض کی مخصوص وجہ معلوم کی جائے اور اس کے مطابق نئی نئی ادویات مارکیٹ میں لائی جائیں اور بس...... ان کے مطابق معاشرے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔ جس نے ذہنی مریض بننا ہوتا ہے وہ ہر قسم کے معاشرے میں بن جاتا ہے یعنی معاشرے میں تبدیلی لانے کی ضرورت نہیں ہے غربت اور نسلی امتیاز کی بناء پر لوگوں سے نفرت اور ان کا استحصال، ان کی نظر میں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔

دوسری طرف "ماہرین کا گروہ" اس بات پر زور دیتا ہے کہ معاشرے میں انصاف ہو تاکہ صنعتی معاشرے کی وجہ سے پیدا ہونے والی خواہ مخواہ کی مقابلہ بازی کو ختم کیا جائے۔ امیر آدمی کو ایک حد سے زیادہ امیر نہیں ہونا چاہئے ورنہ وہ احساس برتری، جھوٹے غرور و تکبر میں مبتلا ہونا شروع ہو جاتا ہے جبکہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد وسائل سے محروم ہو کر احساس کمتری، چاپلوسی اور اخلاقی صفات سے دور ہوتی جاتی ہے اس طرح "نارمل" افراد کی تعداد کم سے کم ہو جاتی ہے اور معاشرے کا توازن درہم برہم ہو جاتا ہے۔

ماہرین کے اس گروہ کے مطابق جو لوگ "ذہنی مریض" بنتے ہیں ان کو معاشرے میں "عزت و احترام" سے نہیں دیکھا جاتا۔ چاہے وہ نسل پرستی کی وجہ سے ہو یا سماجی حیثیت کی وجہ سے۔ بعض لوگ ناموافق حالات کی بناء پر بار بار رہائش اور کاروبار بدلتے رہتے ہیں جس سے ان کی زندگی میں استحکام نہیں رہتا چنانچہ وہ بے چینی اور بے سکونی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ طلاق یافتہ یا تنہا رہنے والے افراد بھی ذہنی عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں کیونکہ اس معاشرتی حادثے کی وجہ سے ان کی عزت نفس اور خود اعتمادی میں کمی آجاتی ہے۔

ماہرین نفسیات و سماجیات کے اس گروہ کے مطابق ذہنی امراض کے بچاؤ کا ماڈل یہ ہے کہ معاشرے میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں اس کا پہلا قدم یہ ہے سرمایہ دارانہ نظام کو کنٹرول کیا جائے تاکہ بے روزگاری اور غربت کا خاتمہ کیا جا سکے۔ جس سے بے سکونی کا سب سے بڑا "Source" ختم کیا جا سکے۔ لوگوں میں نسل پرستی چاہے وہ رنگ یا زبان کی بنیاد پر ہو چاہے علاقے کی بنیاد پر اس کو قانونی طور پر ختم کرنا چاہئے۔ اس طرح انسانوں کو تحفظ اور عزت ملے گی۔

بچوں کی بہتر تربیت جس میں علمی اور اخلاقی تعلیم شامل ہو بلکہ ماہرین کے مطابق جو عورت یا مرد، میاں و بیوی بننا چاہیں، ان کی بھی ٹریننگ ہونی چاہئے تاکہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ کتنے بچے ان کو چاہئیں تاکہ وہ پھر ان بچوں کی "تربیت" کے لئے وقت دے سکیں اس طرح میاں بیوی کو ایک دوسرے کے بارے میں جاننا چاہئے تاکہ بعد میں علیحدگی یا طلاق کی

نوبت نہ آئے۔ ورنہ بعد میں وہ خود اور ان کے بچے، ذہنی مریض بن کر معاشرے پر بوجھ بنتے ہیں۔

ان سب تجاویز کو پڑھنے کے بعد آدمی سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہونے کے باوجود کافروں کی طرح ذہنی و معاشرتی مسائل میں کیوں گرفتار ہیں۔ ہم میں کیا "کمی" آگئی جس کی وجہ سے پریشان ہیں جبکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور باقی مذہبی رسومات پر عمل پیرا ہیں۔

اس "کمی" کا سراغ ہمیں اپنے نبیؐ کی زندگی سے ملتا ہے جب انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور یاد رکھئے کہ یہ دعویٰ نبوت اب آخری انسان تک کے لئے ہے یعنی یہ دعویٰ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔ اتنا بڑا دعویٰ اور آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اس دعویٰ کا ثبوت کیا پیش کیا ہے جو کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مثال بن کر رہ گیا ہے۔ ذرا اس واقعہ کو یاد کیجئے نبی کریم ﷺ ایک پہاڑی پر تشریف لے گئے مکہ والوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ ایک لشکر جرار مکہ کی طرف بڑھ رہا ہے تو تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ہم آپ ﷺ کی اس بات پر یقین کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے پوچھا کیوں تو لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ چالیس سال سے سچے اور امانت دار شخص ہیں ہمیں آپ ﷺ کی ہر بات پر "اعتماد" ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تو سنو میرے پاس اللہ کا "پیغام" ہے میں نے اس کو تم تک پہنچانا ہے اور میں اللہ کا آخری نبیؐ ہوں۔ تو ان لوگوں نے آپؐ کی بات سے انکار نہیں کیا بلکہ کہا کہ ہمیں آپؐ کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

اس واقعہ سے جو "حقیقت" سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چالیس سالہ "کردار" کو نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا دوسرے الفاظ میں ہمارے نبیؐ نے اپنی روزمرہ عملی زندگی کو حق کی گواہی کے لئے پیش کیا۔ انہوں نے کوئی ماورائے عقل بات نہیں کی جس سے لوگوں کو سمجھنے میں دشواری پیش آئی ہو۔

آپ ذرا غور کیجئے کہ ہمارے نبیؐ کی ذات لوگوں کے لئے کتنے سکون و اطمینان کا باعث تھی کہ لوگ اپنی زندگی بھر کی کمائی بڑے "اعتماد" کے ساتھ ان کے حوالے کر کے آرام کی نیند سوتے تھے۔ وہ صرف روپے پیسے کے معاملات میں اعتماد نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی زندگی کے "راز" بھی نبی کریمؐ کے حوالے کرتے تھے۔ ہمارے ہاں امانت داری صرف روپے پیسے تک ہی سمجھی جاتی ہے جبکہ کسی کے "راز" کی حفاظت بھی امانت داری میں شامل ہے اور مکہ کے لوگ مسلمان یا مومن نہیں، کافر تھے۔

نبی کریم ﷺ نے آہستہ آہستہ ایسے لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا جن کے دلوں میں "تبدیلی" کی خواہش تھی۔ مکہ کی زندگی کی جدوجہد کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نبیؐ نے ایسے افراد کی تربیت کی اور ان میں وہی "کردار" پیدا کیا جو خود ان میں تھا۔ 13 سالہ زندگی میں 60-70 قدسی نفوس اس سچائی اور امانت بھرے کردار کے حامل ہوئے۔ مزید افراد کے نہ ملنے پر اور انقلاب کی ہمہ گیریت اور عالم گیریت کے پیش نظر حضورؐ وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے کیونکہ وہاں انسانوں کی بڑی تعداد تبدیلی کے لئے ذہنی طور پر تیار تھی۔

اور آپ دیکھئے کہ مزید دس سالوں میں نبی کریمؐ کے اس انقلاب کے تحت "کردار" والے افراد کی اکثریت ہو گئی تو معاشرے میں سکون و اطمینان کی کیفیت پھیل گئی۔ لوٹ کھسوٹ کا نظام ختم ہو گیا۔ لوگوں کا ایک دوسرے پر "اعتماد" بحال ہو گیا۔ لوگوں کی زندگی میں حقیقی خوشی (Real Happiness) آگئی۔ اس کا ثبوت حضورؐ کی زندگی میں ہی لوگوں نے دیکھ لیا۔

اسلامی تاریخ میں یہ واقعہ ماہرین نفسیات کے لئے ایک

ماڈل کے طور پر درج ہے۔ ایک رومی طبیب نے مدینہ میں "کلینک" کھولنے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے اس کو اجازت دے دی۔ ایک ماہ بعد وہ طبیب بستر بوریا باندھ کر جانے لگا۔ نبی کریمؐ نے اس سے جانے کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے کہا ایک ماہ میں کوئی مریض نہیں آیا حضورؐ نے دریافت کیا اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اس رومی طبیب کا جواب غور سے سنئے اس نے کہا کہ یہ لوگ ایسے اصولوں پر عمل کرتے ہیں جس سے یہ بیمار ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ بھوک چھوڑ کر کھاتے ہیں، بے وقت نہیں کھاتے، ہر شخص محنت کرتا ہے، ہر انسان دوسرے سے عزت و احترام سے پیش آتا ہے، ایک دوسرے کے مال و دولت، عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے، ان میں افراتفری، چھینا جھپٹی نہیں ہے، یہ لوگ سکون و اطمینان سے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس معاشرے میں میرا کیا کام۔

جب تک ہم اس "کردار" کو پیدا نہیں کرتے ہم سب اس طرح عدم اعتماد اور عدم سکون کی بناء پر ذہنی امراض کا ایک ایک کر کے شکار ہوتے رہیں گے۔ ذہنی امراض کی ادویات، بیماری کی شدت کو کم کرتی ہیں۔ بیماری کو ختم نہیں کر سکتیں۔ بیماری کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے نبیؐ کی اسی سنت کو جاری کرنا پڑے گا۔

سانحہ ہائے ارتحال

بزم طلوع اسلام سوات کے نوجوان، محنتی اور مخلص رکن شاہ قاسم آف لیلونئی، الپوری، شانگلہ 23 اکتوبر 2000ء کو اچانک دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ مرحوم بزم ھذا کے فعال کارکنان میں سے تھے اور فکر قرآنی کو اپنے علاقے میں متعارف کرانے میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو۔ ادارہ مرحوم کے پس ماندگان اور عزیز و اقارب کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

بزم طلوع اسلام سوات کے فعال رکن بخت امین صاحب کے والد محترم 6 دسمبر 2000ء کو وفات پا گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ ادارہ مرحوم کے پس ماندگان و اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

معروف دانشور اور صاحب اسلوب ادیب محترم ڈاکٹر شبیر احمد (فلوریڈا) کے والد محترم گذشتہ ماہ وفات پا گئے تھے۔ دعا ہے کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو۔ ادارہ طلوع اسلام ڈاکٹر شبیر احمد اور ان کے دیگر اعزہ و اقربا کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

بزم طلوع اسلام پنج کسی کے رکن محترم چوہدری محمد اقبال اور محترم محمد اسلم صاحب کے والد محترم چوہدری محمد اسمٰعیل گذشتہ ماہ اچانک وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ادارہ مرحوم کے اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بزم طلوع اسلام لاہور کے نمائندہ اشرف ظفر صاحب کی والدہ محترمہ طویل علالت کے بعد وفات پا گئی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ ادارہ اشرف ظفر صاحب اور ان کے دیگر اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(مرتبہ : بزم طلوع اسلام لندن)

ہم عید کیوں مناتے ہیں؟

عیدالفطر:- دنیا کی ہر قوم کوئی نہ کوئی تہوار مناتی ہے۔ ہم بھی سال کے مختلف دنوں میں بعض تیوہار مناتے ہیں۔ لیکن اس عید کا تہوار وہ ہے جسے بطور جشن مسرت منانے کا حکم خود خدا نے دیا ہے۔ اس سے اس تیوہار کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سورہ یونس میں ہے :

”اے نوع انسان تمہارے رب کی جانب سے ایک ضابطہ قوانین نازل ہوا ہے جو انسان کی تمام نفسیاتی بیماریوں کا علاج اپنے اندر رکھتا ہے اور ان کے لئے جو اس کی صداقتوں پر یقین رکھیں سامان پرورش اور منزل انسانیت تک پہنچنے کی راہ نمائی ہے“ (10:57)۔

اس کے بعد فرمایا :

”اے رسول ! ان سے کہہ دو کہ یہ خدا کے فضل و رحمت سے ہے کہ ایسا بے مثال ضابطہ زندگی مل گیا ہے۔ تم کیا اگر ساری دنیا کے انسان بھی مل کر کوشش کرتے تو اس جیسا ضابطہ نہ مل سکتا، لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایسی قیمتی چیز کے اس طرح مفت مل جانے پر جشن مسرت مناؤ۔ وہ دولت کہ انسان جو کچھ بھی جمع کرے یہ اس سے زیادہ قیمتی ہے“ (10:58)۔

یہ ہے وہ تقریب جسے بطور جشن منانے کی تاکید خدا نے کی ہے یعنی جشن نزول قرآن۔ اور نزول قرآن کی ابتدا چونکہ رمضان کے مہینے میں ہوئی تھی (2:185) اس لئے رمضان کا پورا مہینہ گویا اس جشن کی تیاریوں کے لئے تھا اور عید الفطر اس جشن کی تکمیل کا دن۔ پورے تیس دن کے روزے تیاری میں۔ یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالآخر ہمیں دیا کیا ہے جس کے لئے ہم سے جشن مسرت منانے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس سوال کا جواب قرآن یہ دیتا ہے کہ وہ انسان کو اس کے صحیح مقام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے کہا ہے کہ۔۔۔

اے رسول! ہم نے یہ کتاب تیری طرف اس لئے نازل کی ہے کہ تو اس شمع نورانی کے ذریعے نوع انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے (10:57-58)۔ ذرا سوچئے کہ تاریکی میں کیا ہوتا ہے اور روشنی اس کی جگہ کیا کرتی ہے؟ تاریکی میں کسی شے کا مقام متعین نہیں ہوتا۔ روشنی میں ہر شے اپنی صحیح حقیقت کے ساتھ اپنے مقام پر نظر آجاتی ہے۔ یہ تاریکی ہی ہے جس میں ہم رسی کو سانپ اور سانپ کو بعض اوقات رسی سمجھ لیتے ہیں۔ روشنی آجانے سے رسی رسی اور سانپ سانپ کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔

نزول قرآن سے قبل تاریکیاں :- نزول قرآن سے پہلے انسان پر اس قدر تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں کہ نہ وہ خارجی کائنات کی کسی شے کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکتا تھا نہ وہ اپنے مقام سے آگاہ تھا۔

یہ تاریکیاں کیا تھیں؟ دل و دماغ کی تاریکیاں، فکر و نظر کی تاریکیاں یعنی جہالت اور توہم پرستی کی تاریکیاں۔ مختصرا” یہ کہ اپنے مقام سے بیگانگی کی تاریکیاں۔ اور حقیقت یہ ہے

کہ تمام تاریکیوں کا منبع یہی تاریکی تھی باقی سب تاریکیاں اس کی پیداوار تھیں۔ اگر انسان پر اس کا صحیح مقام روشن ہو جائے تو یہ تمام تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے انسان کا صحیح مقام کیا بتایا ہے؟ اس سوال کی تفصیل میں جانا چاہیں تو اس کے لئے سارے کا سارا قرآن سامنے لانا پڑے گا جس کی اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں' لہٰذا اس کے صرف چند ایک گوشے ہی سامنے لائے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ نزول قرآن سے پہلے انسان کن تاریکیوں میں ڈوبا ہوا اور کن پستیوں میں گرا ہوا تھا۔ نزول قرآن کے وقت انسان کی کیفیت یہ تھی کہ۔۔ انسان' انسان کی پرستش کرتا تھا۔ غلامی کا جواء اس کی گردن میں پڑا ہوا تھا۔ کہیں ملوکیت کا فولادی پنجہ اس کی رگ جان کو دبائے ہوئے تھا۔ کہیں رہبانیت کی غیر فطری زندگی اس کے دل و دماغ کو بری طرح ناکارہ بنائے ہوئے تھی۔ کہیں سرمایہ دار کی ہوس اس کے خون کا آخری قطرہ تک چوس رہی تھی۔ یہ تھی انسان کی کیفیت۔

توہم پرستی :- جب قرآن آیا اور اس نے اعلان کیا کہ خدا کے اس رسولؐ کے ظہور کا مقصد یہ ہے کہ یہ ان تمام زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں انسان جکڑا چلا آرہا ہے۔ یہ اس کے سر سے ان بوجھل سلوں کو اتار پھینکے گا جن کے بوجھ سے یہ کچلا جا رہا ہے (7:157)- ان زنجیروں میں سب سے پہلی زنجیر اس کی توہم پرستی کی تھی جس کی رو سے یہ خارجی کائنات کی ہر قوت سے ڈرتا تھا۔ بادل گرجا اور یہ سہم گیا۔ بجلی کڑکی اور یہ دبک کر بیٹھ گیا۔ پہاڑ سامنے آیا تو اس کی ہیبت سے لرز اٹھا۔ ان قوتوں کے خطرات سے بچنے کے لئے اس کے ذہن میں ایک ہی طریق آسکتا تھا اور وہ یہ کہ ان قوتوں کو خدا تسلیم کر لیا جائے' ان کے سامنے جھکا جائے' ان کی پرستش کی جائے' ان کے حضور قربانیاں دے کر انہیں خوش کرنے کی کوشش کی جائے۔

مقام آدمیت :- خارجی قوتوں کے مقابلہ میں یہ تھا وہ مقام جو انسان نے اپنے لئے تجویز کر رکھا تھا۔ قرآن آیا اور اس نے کہا کہ تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ کیفیت یہ ہے کہ۔۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اسے خدا نے تمہارے فائدے کے لئے قوانین کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ (45:12-13, 31:20) اگر تم ذرا غور و فکر سے کام لو تو یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ان کا مقام کیا ہے اور تمہارا مقام کیا۔ یہ سب خادم ہیں اور انسان ان کا مخدوم۔ یہ سب قوانین خداوندی کے تابع زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور انسان کو ان قوانین کا علم دے دیا گیا ہے۔ جوں جوں تم ان قوانین کا علم حاصل کرتے جاؤ گے یہ قوتیں تمہارے سامنے جھکتی جائیں گی۔

سنت اللہ :- یہ قوانین جن کے مطابق یہ بڑی بڑی قوتیں مصروف عمل ہیں' اٹل ہیں' نہ بدلنے والے قوانین ہیں۔ اس لئے تمہیں اس کا خدشہ نہیں ہونا چاہئے کہ نہ معلوم کسی وقت یہ قانون بدل جائے اور یہ قوتیں میرے قابو سے نکل جائیں۔ یہاں پر ہر بات قانون کے مطابق ہوتی ہے' قانون کے مطابق ہوتی رہے گی اور ان قوانین میں کبھی بھی تبدیلی نہیں آئے گی (33:62)- یہ تھا وہ آئینہ جس میں قرآن نے انسان کو اس کی حقیقی شکل دکھائی تو وہ ایک ہی جست میں مسجود ملائک اور مخدوم کائنات بن گیا۔ انسان کے لئے مجبور محض اشیائے کائنات کو مسخر کر لینا پھر بھی آسان تھا' مشکل مرحلہ وہ تھا جہاں انسان دوسرے انسان کے ظلم کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ زنجیر انسانی حکمرانی کی تھی اور اس خوئے غلامی میں اسے اس قدر پختہ کر دیا گیا تھا کہ وہ انسانوں کی محکومیت کو اپنی فطرت کا تقاضہ اور ان کا پیدائشی

حق سمجھنے لگ گیا تھا۔

حق حکومت :- قرآن کریم آیا اور اس نے اعلان کیا کہ:- کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں، خواہ خدا نے اسے کتاب، حکومت حتیٰ کہ نبوت بھی کیوں نہ دی ہو، کہ وہ دوسرے انسانوں سے کہے کہ تم خدا سے ورے میری محکومی اختیار کرو۔ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی بنو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اس کتاب خداوندی کی اطاعت کرو جسے تم پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو (3:78-79)۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم کے اس اعلان نے انسان کو کس طرح ہر قسم کی انسانی غلامی سے نجات دلا کر اسے ایک خدا کی محکومیت کی دعوت دی۔ قرآن کریم کی ساری تعلیم اسی بنیادی نقطہ کی شرح ہے کہ:- اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کرو، ان کے علاوہ کسی انسان کی اطاعت مت کرو (12:40)۔ انسان کا تخلیقی مقصد یہ ہے کہ وہ صرف قوانین خداوندی کی محکومیت کرے اگر اس نے اس کے علاوہ کسی اور کی محکومی اختیار کی تو یہ اس کی تخلیق کے مقصد کے خلاف ہو گا۔ یہ تو تھا ملوکیت کا ظلم جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتا ہے لیکن یہ جھکنا انسان کے بدن کا تھا وہ چاہتا تو اپنے دل و دماغ کو اس سے آزاد رکھ سکتا تھا لیکن اس سے آگے انسان کے جھکنے کا وہ مقام آتا ہے جس میں اس کے دل و دماغ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

مذہبی پیشوائیت :- یہ غلامی تھی مذہبی پیشوائیت کی جو دوسرے انسانوں سے اپنی خدائی منواتی تھی۔ قرآن کریم نے انسان کو آواز دی اور اس سے کہا کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ جو مقدس نقابوں کی اوٹ میں خدا کے نمائندے بن کر تمہارے سامنے آتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ پیران طریقت ہوں یا علمائے شریعت ان کا سارا مسئلہ معاشی ہے لیکن یہ اسے مذہب کے پردے میں چھپائے رکھتے ہیں۔ ان میں اکثر کا یہ عالم ہے کہ خود کچھ نہیں کماتے اور دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے ہیں (9:34)۔ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ یہ لوگوں کو خدا کی راہ بتاتے ہیں لیکن درحقیقت انہیں خدا کے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں۔ یہ خدا سے ورے خود خدا بن بیٹھے ہیں۔ اس لئے خدا تک پہنچنے ہی نہیں دیتے، راستے میں ہی روک لیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اگر لوگ خدا تک پہنچ جائیں یعنی اس کی اس کتاب کو اپنا راہ نما بنا لیں تو ان خدا کے نمائندوں کا وجود ہی ختم ہو جائے۔ مذہبی پیشوائیت کی حکمرانی کا دائرہ زندہ انسانوں تک ہی محدود نہیں ہوتا ان کی حکومت ان کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے بلکہ مرنے کے بعد ان کی گرہیں اور زیادہ مضبوط ہو جاتی ہیں۔ زندہ انسان ان مردوں کی بے پناہ قوتوں کے خیال سے کانپتا ہے، ان کے حضور منتیں مانتا اور نذرانے گزارتا ہے۔ جہاں تک مردوں کی غلامی کا تعلق تھا قرآن نے زندہ انسانوں سے کہا کہ ذرا سوچو کہ جن ہستیوں کو تم اپنا "خدا" سمجھ رہے ہو ان کی حالت یہ ہے کہ:- اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار کو سن نہیں سکتے اور اگر وہ بفرض محال تمہاری پکار سن بھی لیں تو اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی بے خبری کی یہ حالت ہے کہ ان مردوں کو خود اپنے متعلق بھی علم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے (46:4-5, 27:65, 25:3)۔ لہٰذا ان سے ڈرنا کیوں اور ان سے مرادیں کیوں وابستہ کرنا۔ یہ انسان کی انتہائی پستی ہے کہ وہ مردوں سے ڈرتا رہے اور انہیں اپنا حاجت روا تسلیم کرے۔

منشور آزادی :- انسان کو انسان کے آگے جھکانے کی ایک موثر تدبیر یہ تھی کہ اسے روٹی کا محتاج بنا دیا جائے اور اس طرح اسے بھوکا رکھ کر اس سے اپنا حکم منوا لیا جائے۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ رزق کے معاملے میں کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہیں ہے۔ ہم تمام

افراد کے رزق کے ذمہ دار ہیں' ان کے بھی اور ان کی اولاد کے بھی۔ ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جس میں رزق کے سرچشمے انسانوں کی ملکیت میں رہنے کے بجائے تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ بنیں اور کوئی کسی کا محتاج و محکوم نہ ہو (17:31, 11:6, 6:152)۔ یہ تھے وہ تصورات جو قرآن نے دیئے اور اس طرح انسانوں کو ان کے صحیح مقام سے آگاہ کیا (17:70) اور ان سے کہہ دیا کہ اگر تم قرآنی قوانین پر کاربند ہو گے تو تمہیں ایک ایسا معاشرہ میسر آجائے گا جس میں کیفیت یہ ہو گی کہ تمہیں نہ کسی قسم کا خطرہ ہو گا نہ خوف و حزن (10:62-64, 7:35, 2:37-38)۔ بلکہ ہر طرح کا اطمینان اور ہر طرح کی سلامتی میسر ہو گی۔

مساوات انسانی:- اس میں ہر انسانی بچے کو زندگی کی دوڑ میں مقابلے کے لئے ایک جیسا میدان ملے گا۔ نہ کسی سے بے جا رعایت ہو گی نہ کسی کے راستے میں رکاوٹ آئے گی۔ جس کا جی چاہے اپنی محنت سے آگے بڑھ جائے' جس کا جی چاہے اپنی بے عملی سے پیچھے رہ جائے۔ یہاں ہر فیصلہ انسان کے جوہر ذاتی اور عمل مسلسل کے مطابق ہو گا (99:7-8,46:19)۔ یہ نہ ہو گا کہ بڑے باپ کا بیٹا سونے کا چمچہ منہ میں لیکر پیدا ہو اور غریب کا بیٹا ابتدائی تعلیم تک بھی نہ حاصل کر سکے کیونکہ اس کے باپ کے پاس اسے سکول میں داخل کروانے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ یہ پیدائشی تفریق برہمن کی خود ساختہ زنجیریں تھیں جن میں وہ شودر کو جکڑے رکھتا تھا۔ قرآن کریم نے انسان کو ان تمام زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے نوع انسان کو قرآن دیا گیا اور اسے کہا گیا تھا کہ ایسے منشور حریت و آزادی کے عطا ہونے پر جشن مناؤ۔

پیپلز کلیئرنگ ایجنسی
کسٹم ھاؤس سے منظور شدہ
کلیئرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
۲۵ سالہ تجربہ کار
کلیئرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ھمہ وقت تیار ھیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸
۲۴۲۷۵۳۷-۲۴۳۱۰۴۵
فیکس نمبر:-
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

تیری آواز مکے اور مدینے

پرویز صاحب نے امت مسلمہ سے فرقے ختم کرنے کے لئے اہل ایمان کو قرآن کی طرف بلایا تو علماء حضرات نے کفر کا فتویٰ تھوپ دیا۔ حالانکہ وہ ان تمام احادیث کو جو قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق تھیں نہ صرف یہ کہ تسلیم کرتے تھے بلکہ اپنی تحریروں میں ان کا جا بجا حوالہ بھی دیتے تھے۔ شکر ہے کہ اب یہی علماء حضرات ان کی اس کوشش کی حقیقت تسلیم کرنے لگے ہیں۔ جماعت اسلامی کا ترجمان روزنامہ "انصاف" لاہور اپنی سات نومبر کی اشاعت میں وہی کچھ فرما رہا ہے کہ جس کی بنا پر انہوں نے پرویز صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

"مسلم دنیا کا اتحاد صرف قرآن مجید کے ذریعے ممکن ہے: طاہر اشرفی"

لاہور (پ ر) قرآن مجید کو براہ راست سمجھنا انتہائی آسان ہے۔ بدقسمتی کی بات ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے نصاب میں قرآن مجید کو بطور نصاب شامل ہی نہیں کیا گیا۔ یہ باتیں فہم قرآن انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل پروفیسر عطاء الرحمان ثاقب نے قاضی عبدالقدیر خاموش کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ میں کیا۔ تقریب کے مہمان خصوصی مشیر گورنر پنجاب حافظ طاہر اشرفی نے کہا کہ مسلم دنیا کا اتحاد صرف اور صرف قرآن مجید کے ذریعہ ممکن ہے۔"

طلوع اسلام نے علماء کی ایک سنگین غلطی کی اصلاح کر دی

ہمارے علماء حضرات درود شریف کی ایک ایسی عبارت استعمال کرتے تھے جو نہ صرف یہ کہ عربی گرامر کے مطابق غلط تھی، بلکہ اس سے عقیدہ ختم نبوت پر بھی زد پڑتی تھی۔ جب ان حضرات کی توجہ اس سنگین غلطی کی طرف دلائی گئی تو ان میں سے جو شریف لوگ تھے، انہوں نے چپکے سے یہ اصلاح کر لی۔ لیکن ان میں اتنی اخلاقی جرات نہیں تھی کہ وہ اس بارے میں طلوع اسلام کا شکریہ ادا کرتے۔

اس کے برعکس نیم تعلیم یافتہ علماء بپھر گئے وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ طلوع اسلام ان کی غلطیاں ٹھیک کرائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے غلط مسلک کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید میں تحریف کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہ کیا۔ خیال رہے کہ جن علماء نے اپنے فرقے کی تائید کے لئے یہ غلط اضافہ کیا تھا وہ اپنے عقیدے میں مخلص تھے انہوں نے قرآن مجید میں تحریف کرنے کی بجائے عربی زبان کے اشعار کا سہارا لیا تھا۔ لیکن باتفاق اشعار کو گرامر کے لئے سند نہیں مانا جاتا۔

تاہم اس تلملاہٹ اور بپھرنے کے باوجود، ان حضرات نے اب درود شریف کی صحیح عبارت استعمال کرنی شروع کر دی ہے، ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن نے بھی اس

اصلاح کے مطابق درود شریف کی عبارت میں تبدیلی کر کے' اس کے اصل الفاظ اختیار کر لئے ہیں۔ اس پر طلوع اسلام اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہے کہ اسے علماء حضرات کی ایک سنگین غلطی کی اصلاح کی سعادت حاصل ہوئی۔

مسلم عائلی قوانین کو خدا حافظ

لاہور ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ ملاحظہ ہو :

لاہور (خبر نگار خصوصی) لاہور ہائی کورٹ نے قرار دیا ہے کہ اسلامی قانون کے تحت نکاح زبانی ہو سکتا ہے نکاح کو رجسٹر نہ کرانے سے نکاح فسخ (منسوخ) نہیں ہو سکتا۔ نکاح کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان مرد اور عورت ایک مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کریں اگر خاوند بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو چیئرمین ثالثی کونسل سے اس کا سرٹیفکیٹ لینا بھی ضروری نہیں۔ عدالت نے یہ فیصلہ ....

روزنامہ جنگ لاہور' 10 دسمبر 2000ء

اگر لاہور ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ صحیح رپورٹ کیا گیا ہے۔ تو پھر مسلم عائلی قوانین مجریہ 1961ء جس کے لئے خواتین نے برسوں جدوجہد کی تھی' ان کا خدا حافظ۔ شادی بیاہ سماجی مسائل ہیں اس سلسلے میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں' ان کے تدارک کے لئے نکاح کی رجسٹری لازمی قرار دی گئی کیونکہ بدکار لوگ ایجاب و قبول کے محدود مفہوم کو اپنے غلط مقاصد کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ دوسرے علماء کو تو جانے دیجئے خود مودودی صاحب جو عائلی قوانین کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے بھی نکاح کی رجسٹریشن کو لازمی قرار دینے کی تجویز پیش کی تھی۔ (حقوق الزوجین طبع ششم ص 125)- حیرت کی بات ہے کہ ملک کی ایک اعلیٰ عدالت اس سماجی مسئلہ کو ذاتی مسئلہ قرار دے کر مری ہوئی خرابیوں کو زندہ کرنے کی اجازت دے رہی ہے۔

جہاں تک ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے کا تعلق ہے' تو یہ قرآن و سنت کی واضح خلاف ورزی ہے۔ خود رسول اللہ صلعم نے ایسی طلاق کو قرآن مجید سے کھیلنے کے مترادف قرار دیا تھا (ایضا" ص 154) ملوکیت نے اپنے مفادات کے لئے طلاق کے اس طریقے کو رائج کیا تھا۔ جن علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا' انہوں نے بھی اسے طلاق بدعت قرار دیا۔ مودودی صاحب نے اسے اللہ تعالیٰ کے احکام کی سخت نافرمانی قرار دیا۔ (ایضا") عائلی قوانین میں اس قسم کی طلاق پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ حیرت کی بات ہے کہ ملک کی ایک اعلیٰ عدالت' ایسی طلاق کو کیسے جائز قرار دے رہی ہے !

سلف صالحین کے افکار سے مداہنت

موجودہ زمانے میں سلف صالحین کے حالات زندگی بیان کرنے کا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے کے مسائل کے حل کے لئے ان کے افکار سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ لیکن ان کے ایسے خیالات چونکہ "ہمارے علماء" کے مسلک کے خلاف ہوتے ہیں تو انہیں سرے سے بیان ہی نہیں کیا جاتا' اس کی مثال فرقہ اہل حدیث کے ترجمان "محدث" کی نومبر 2000ء کی اشاعت میں امام ابن تیمیہ کے بارے میں ایک مضمون ہے۔ جس میں ان کے ان فتاویٰ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جو موجودہ زمانے کے مسائل کے بارے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ نے بڑے واضح الفاظ میں خاندانی منصوبہ بندی کے جواز کا فتویٰ دیا تھا (مختصر الفتاویٰ المصریہ صفحہ 431)

آج اس مسئلہ کی اہمیت کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ لیکن ہمارے علماء چونکہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس انسانی مسئلہ کی مخالفت کر رہے ہیں اس لئے وہ بددیانتی

سے کام لیتے ہوئے اس بارے میں امام صاحب کا فتویٰ بیان نہیں کرتے۔

اسی طرح امام صاحب نے اس عقیدہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے کو خالص کفر قرار دیا تھا (الفتاویٰ الکبریٰ جلد دوم ص 553) لیکن ہمارے اکثر علماء انسان کو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔

فتاویٰ نوریہ۔ فقہ حنفی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا

ماہنامہ نور الحبیب' جو بصیر پور سے شائع ہوتا ہے اس کے آخری صفحہ پر فتاویٰ نوریہ کا اشتہار شائع ہوتا ہے جسے ان کے فقیہ اعظم نے تصنیف فرمایا تھا۔ اس فتاویٰ کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ فقہ حنفی کا عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے' اس کے مکمل سیٹ کی قیمت ڈیڑھ ہزار روپیہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ تکلیف دہ حقیقت سامنے آئی کہ امام ابو حنیفہ کے جن فتاویٰ سے انسانیت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے' وہ اس فتاویٰ سے غائب تھے۔ مثلاً آپ نے مسلمانوں کو بچوں کا عقیقہ کرنے سے منع کر دیا تھا اور فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کی رسم تھی (بدائع الصنائع جلد پنجم ص 127) لیکن نہ تو اس فتاویٰ میں ان کے اس فتویٰ کا ذکر ہے نہ ہی ملک کے کسی اور عالم دین نے کبھی بھی اس فتویٰ کا ذکر کیا ہے۔

اسی طرح امام صاحب نے فیوڈلزم یعنی غیر حاضر زمینداری کو حرام قرار دیا ہے اور چونکہ اسلام میں سرے سے زمین کی خرید و فروخت جائز نہیں اس لئے انہوں نے اوقاف کو بھی حرام قرار دے دیا تھا۔ ان مسائل کا تعلق ہمارے ملک کے کروڑوں عوام سے ہے۔ لیکن حنفی فقہ کے اس عظیم انسائیکلو پیڈیا سے یہ مسائل غیب ہیں' جو حضرات اپنے امام سے مخلص نہیں' وہ غریب عوام کے ساتھ کیسے مخلص ہو سکتے ہیں۔ ایسے علماء نے ہی تو قوم کو فرقہ بازی کی مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔

قابل تعریف ماہنامہ اعراف انٹرنیشنل کراچی

حال ہی میں ماہنامہ اعراف انٹرنیشنل کا شمارہ نمبر 9 اور 10 نظر سے گزرا۔ ملکی مسائل پر اس کا نقطہ نظر حقائق پر مبنی ہے۔ اس شمارہ کے صفحہ 16 پر ماہنامہ کی ایک مدیرہ کا مضمون ہے جس میں زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کو فراڈ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ جب یہ آرڈیننس 1979ء میں نافذ ہوا تھا تو اس وقت کے امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد صاحب نے اسے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں سنگ میل قرار دیا تھا۔

اسی طرح فیوڈل ازم کو بھی ایک بہت بڑی برائی قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں حکومت پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ اس برائی کو قوم پر تھوپنے کی ذمہ دار ہے۔ اس بارے میں حکومت سے یہ گلہ کیا گیا ہے:

"کیا ٹیکس کلچر دیہی علاقے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا اطلاق صرف شہروں پر ضروری ہے؟ زمینداروں اور جاگیرداروں کے لئے "غریب کاشتکاروں" کے عنوان سے اربوں کے قرضوں کا انتظام حکومت کرے۔ زمینداروں کی تمام زرعی پیداوار کی خریداری کا اہتمام حکومت کرے' زمینداروں اور جاگیرداروں کی آمدنیاں بڑھانے کے لئے اجناس کی قیمتوں کا تعین ان کی خوشنودی طبع کے مطابق حکومت کرے اور اس سب لاڈ پیار اور ناز برداری کے بعد اس طبقے کو سیلز اور انکم ٹیکس سے مستثنٰی رکھا جائے۔ سرکاری محصولات کا بوجھ ان پر "مطلقاً" نہ ڈالا جائے۔ حکومت ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی سیلز اور انکم ٹیکس کی صورت میں صرف اور صرف شہری طبقے کو نچوڑ کر وصول کر رہی ہے۔ حتیٰ کہ زمینداروں کی جیبیں نہ وصول ہونے والے اور معاف کرائے جانے والے قرضوں سے بھرنے کے

سارے وسائل بھی شہری طبقے ہی سے وصول کئے جاتے ہیں یہ وہ سرکاری ناانصافی ہے جو شہروں میں روز افزوں بے چینی کا سبب بن رہی ہے۔” (صفحہ 14)

قانون دانوں پر بھی حوریں سوار ہو گئیں

ہمارے علماء جنت کی حوروں کا بیان مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ جو ان کے خیال کے مطابق جنت کے خیموں میں بیٹھی ان کا انتظار کر رہی ہیں اب یہ حوریں قانون دانوں کے خیالوں پر بھی سوار ہو گئی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حال ہی میں قانون دانوں نے القانون کے نام سے ایک ماہنامہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ قانون کے شروع میں عربی کا “ال” لگا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ یہ قانون کو اسلامی بنانے کی کوشش ہے لیکن ان بیچاروں کا اسلام بھی وہی نیم تعلیم یافتہ مولویوں والا ہے۔ ایک قانون دان صاحب جو فیڈرل شریعت کورٹ کے ایڈووکیٹ ہیں، جنت کی حوروں کے عنوان سے لکھتے ہیں:

“اب دیکھنا یہ ہے کہ جنت کے وہ گھر جہاں حوروں سے ملاقات ہو گی کس نوعیت کے ہونگے۔ ہر جنتی کے لئے ایک شاندار محل ہو گا اور اس محل میں ایک وسیع و عریض خیمہ ہو گا، خیمے سے ہمارے ذہن میں فوری طور دنیا میں دیکھے گئے کپڑے کے خیمے کا تصور اجاگر ہوتا ہے جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ وہ خیمہ شاندار موتی کو اندر سے تراش کر بنایا جائے گا اور اس خیمے کی چوڑائی 60 میل ہو گی اور یہ وہی خیمہ ہو گا جس میں جنت کی حوریں منتظر ہونگی جس کا ذکر سورۃ الرحمٰن، آیت مبارکہ 55، 72 اور 73 میں ہے۔

“اہل جنت کے لئے خیموں میں حوریں ٹھہرائی گئی ہونگی”۔

(صفحہ 18)”

قرآن مجید میں لفظ “حور” چار مقامات پر آیا ہے۔ یہ لفظ واحد نہیں بلکہ جمع ہے۔ اس کے دو واحد ہیں “احور” جو مذکر کے لئے استعمال ہوتا ہے اور “حوراء” جو مونث کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ان دونوں الفاظ کے بنیادی معنی سفیدی کے ہیں اصل عربی میں یہ ایک سفید لکڑی کا نام ہے۔ الحوارئین، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے۔ یہ نام انہیں اس لئے دیا گیا تھا کہ ان کے رنگ سفید تھے۔ مختصر یہ کہ عربی لفظ حور کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر ہوتا ہے، اس کی جمع حوریں غلط ہے کیونکہ یہ لفظ خود جمع ہے۔ جہاں تک جنت میں حوروں سے شادی کا تعلق ہے۔ تو جنت میں ایسا کوئی معاملہ نہیں ہو گا۔ زوج کے اصل معنی ساتھی کے ہیں۔ خود قرآن مجید میں یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ **واذا النفوس زوجت۔** اس کا ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ جب نفوس کو ایک دوسرے سے ملایا جائے گا۔ اس بارے میں مقالہ نگار صاحب سورت السجدہ کی آیت سترہ کا مطالعہ کر لیتے جس میں یہ ارشاد ہے کہ کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ قیامت کے دن انہیں کس قسم کی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ تو وہ خواہ مخواہ، قانون دانوں پر حوریں سوار نہ کرتے۔

بلا تبصرہ

کراچی مسجد بدر میں دو مذہبی فرقوں میں تصادم۔ 3 زخمی دونوں فرقوں کے چھ افراد گرفتار، مسجد کو تالے لگا دیئے گئے۔ پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری کی زیر نگرانی نمازیں ادا کی گئیں۔

کراچی (بیورو رپورٹ) آرام باغ پیپر مارٹ کی مسجد بدر میں برسوں پرانی لکھی ہوئی درود شریف کی تختیاں اور بورڈ اتارنے پر دو مذہبی فرقوں میں تصادم ہو گیا پولیس کی بھاری نفری نے لاٹھی چارج اور آنسو گیس استعمال کر کے ہنگامہ پر

قابو پا لیا۔ ہنگامہ آرائی کے دوران ایک نمازی سمیت 3 افراد زخمی ہو گئے پولیس نے منگل کی صبح دونوں گروپوں کے 100 سے زائد افراد کے خلاف مقدمہ درج کر کے دونوں فرقوں کے 6 افراد کو گرفتار کر لیا۔ علاقے میں زبردست کشیدگی کے باعث مسجد کے اطراف میں ضلع بھر کی پولیس کی بھاری نفری اور رینجرز تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ منگل کی صبح نماز فجر پولیس اور رینجرز کے پہرے میں ادا کی گئی۔ جبکہ نماز ظہر تک تالے ڈال دیئے گئے تھے اور صرف نماز پنج گانہ کے دوران مسجد کے تالے کھولے گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ بریلوی فرقے کی مسجد میں کچھ عرصے سے قاری بشیر احمد بچوں کو قرآن شریف کا درس دیا کرتے تھے بعد ازاں یہ پتہ چلنے پر کہ قاری بشیر احمد کا تعلق دیو بند مسلک سے ہے اسے ممبر کی کمیٹی سے نکال دیا گیا لیکن قاری نے مقامی عدالت سے حکم امتناعی حاصل کر لیا اور درس کا کام جاری رکھا چنانچہ قاری بشیر ہی اس تنازعہ کی اصل وجہ ہیں۔

روزنامہ مشرق پشاور، 6 دسمبر 2000ء

ان کے ہونٹوں کی ہنسی بھی تو سند ہوتی ہے

روزنامہ نوائے وقت کی 8-12-2000 کی اشاعت میں ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب کے فرمودات کے کچھ اقتباسات شائع ہوئے ہیں جن میں سے ایک اقتباس آپ کی نذر ہے۔

"معروف عالم دین ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک نے کہا ہے کہ روزہ ہر لمحہ عبادت کرنے، نوافل پڑھنے اور درود پڑھنے کا نام ہے ...... ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک نے کہا کہ رمضان میں ٹیلی وژن نہیں دیکھنا چاہئے، اس سے نظر کی پاکیزگی متاثر ہوتی ہے۔ جی چاہتا ہے طالبان کی طرح ٹی۔ وی اٹھا کر باہر پھینک دوں یا ٹی۔ وی کی بلڈنگ میں بیٹھے لوگوں کو پانچویں منزل سے اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے"۔

معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو T.V. "لعین" کی حرمت کا پتہ بہت دیر میں چلا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پچھلے اور اس سے بھی پچھلے سالوں یہی ڈاکٹر صاحب اکثر ٹی۔ وی پر جلوہ افروز ہوا کرتے تھے خصوصاً رمضان میں تو دن میں دو دو بار درشن دکھلاتے تھے۔

اب کی بار ٹی۔ وی والوں نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے انہیں نظر انداز کر دیا ہے اور نتیجتاً" T.V حرام قرار دلوا لیا ہے۔ آج کل ان کی جگہ حافظ محمود الحسن صاحب خطابت کے جوہر دکھلایا کرتے ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سے مولوی صاحبان ٹی۔ وی پر جلوہ افروز ہوتے رہتے ہیں غالباً" ان کے اسلام میں ابھی ٹی۔ وی حرام نہیں ہوا ہے۔ بہرحال ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب کی خدمت میں ان کے حسب حال ایک شعر نذر کرتے ہیں ؎

ہم کریں بات دلیلوں سے تو رد ہوتی ہے
ان کے ہونٹوں کی ہنسی بھی تو سند ہوتی ہے!

قرآں کے اثر کو روک دینے کے لئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا
(اکبرالہ آبادی)

علامہ اسلم جیراج پوری کی خوبصورت اور فکر انگیز کتاب
ہمارے دینی علوم (علم تفسیر، تفسیر بالروایت، علم حدیث، علم فقہ)
قیمت 75 روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

☆ ملنے کا پتہ ☆ مکتبہ اخوت، الکریم مارکیٹ، سیکنڈ فلور، اردو بازار، لاہور۔

ضرورت رشتہ

ناروے میں مقیم ایک قرآنی گھرانے کے دوفرزندان ارجمندان کے لئے مناسب رشتہ کی ضرورت ہے جن کے کوائف درج ذیل ہیں۔

بڑالڑکا عمر 23 سال۔ برسرروزگار ناروے۔

چھوٹالڑکا عمر 22 سال۔ پٹرولیم انجینئر ناروے۔ پڑھائی جاری ہے اور ساتھ ساتھ کام بھی کررہے ہیں۔ دونوں برٹش ہولڈر ہیں۔ خواہش مند حضرات درج ذیل پتہ پر رابطہ فرما سکتے ہیں۔

بٹالوی معرفت ادارہ طلوع اسلام، 25بی، گلبرگ 2، لاہور۔

◆ ◆ ◆

ضرورت رشتہ

برطانیہ کی پیدائشی، ایک خوب سیرت اور خوش گل دوشیزہ کے لئے مناسب رشتہ کی ضرورت ہے۔ جس کی عمر 25 سال اور تعلیم ایم۔ ایس۔ سی کمپیوٹر انجینئر نگ ہے۔ برطانیہ ہی میں بطور کمپیوٹر کنسلٹنٹ کام کررہی ہے۔

لڑکے کی عمر 27 سال سے زیادہ نہ ہو، قد 5 فٹ 8 انچ، رنگ سفید اور مساوی تعلیم کا حامل ہو۔

بیرون ملک خواہش مند حضرات درج ذیل پتہ پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

M.Riaz C/o M.M Farhat, 76 Park Rd., ILford Essex, IGI ISF, England
E-mail: maqbool.farhat@virgin.net

اندرون ملک بذریعہ خط درج ذیل پتہ پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

ایم۔ ریاض معرفت ادارہ طلوع اسلام، 25بی، گلبرگ 2، لاہور

CM 6132
7/1/2001

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لئے خوشخبری

(نایاب) آسان قرآن مجید (نیوز)، مع تفسیر القرآن بالقرآن (محدود تعداد میں)

از۔ تلمیذ سرسید جناب علی احمد خان دانشمند جالندھری (علیگ)

رعایتی قیمت پر =/200 روپے کی بجائے صرف =/100 روپے میں طلب کریں (علاوہ ڈاک خرچ)

مذکورہ تفسیر کے آخری پارہ کے چند نوٹس ملاحظہ ہوں۔

"سورۃ عبس (آیات 1-16) عام طور پر اس سورۃ کا غلط ترجمہ کرکے اسے پیغمبرﷺ کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ درآنحالیکہ یہ تو ایک روحانی اندھے کافر کے لئے ہے۔ مومن اندھے کے لئے نہیں ہے۔ نہ پیغمبرﷺ نے مومن اندھے کے لئے تیوری چڑھائی نہ پیٹھ پھیری۔ یہ تمام حرکات تو روحانی اندھے کافر کی ہیں۔ سورۃ المدثر میں بھی ایسے ہی روحانی اندھے کافر کی حرکات ہیں۔ دشمن قرآن نے بہت سی جھوٹی روایات بنا بنا کر قرآن حکیم کی روشنی پر سیاہ غلاف چڑھانے چاہے لیکن سورج پر کون سیاہ غلاف چڑھا سکتا ہے"۔

"سورۃ القدر (آیات 1-5) قرآن حکیم کا لیلۃ القدر میں نازل کرنا پس یہ عرب کے تاریک ترین زمانہ کی رات تھی۔ قرآن حکیم کے نزول سے وہ قدر والی بن گئی اور انتہائی تاریک زمانہ طلوع فجر میں تبدیل ہوگیا۔ پس اگر مسلم قوم نے (اصل) شب قدر دیکھنی ہے تو قرآن حکیم کے سورج کو دنیا پر طلوع کرے"۔

"سورۃ الفیل آیات (1-5) پس مکہ معظمہ کے دانائے کار جرنیل حضرت عبدالمطلب نے اپنے ہمراہ تمام اہل مکہ کو لے کر جس کا ہر فرد ایک جانباز سپاہی تھا مکہ کی پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور اصحاب فیل پر اچانک ایسا سخت جوابی حملہ کیا کہ ہاتھیوں نے اپنی فوج کو خود ہی روند ڈالا۔ پھر کیا تھا نہ ابرہہ اور نہ اس کی فوج کا ایک فرد زندہ بچ کر نکل سکا۔ سورۃ یٰسین کی آیات 14 تا 30 دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی گمراہ قوم کو عذاب دینے کے لئے کبھی آسمان سے لشکر نہیں اتارے اور نہ وہ اتارنے والا ہے"۔

ملنے کا پتہ:- مکتبہ اخوت، الکریم مارکیٹ، سیکنڈ فلور، اردو بازار، لاہور۔

TWO-NATION THEORY

The two-nation theory is often questioned and rejected by the intellectuals of Pakistan. However, in the DAWN issue of October 16, Kamal Azfar wrote in defence of it. This is to be welcomed, but he traced the theory to Sir Syed Ahmed Khan on the Urdu-Hindi controversy raised by the Hindus in the United Provinces. This kind of analysis raises a logical question. What if the Hindus had not raised this controversy, and they had been accommodating and understanding towards the Muslims? Would then there be no such thing as two-nation theory?

Let us understand that the theory goes back 1400 years to Muhammad (PBUH), nay, to Noah or to the very beginning of Human existence. It identifies Humans on the basis of ideas, concepts, values and a general worldview, which are willingly opted for, without any semblance of pressure. Any pressure is a negation of the human free will, on the basis of which he is considered Supreme of all creation.

The theories today, coined by man, are based on sheer accident of birth, namely land, race and language. They call it a “nation-State.” It not only negates free will, but the concept of universalism as well. It has cut humankind into smaller and smaller divisions, and the further sub-dividing process is an ongoing phenomenon. If I am not mistaken there are already 180 members of the U.N.O. So man’s accidental heritage has triumphed, and universalism has failed.

* * * * * * * *

(The above passages were sent in the form of “Letters to the Editor” in DAWN. But they were not printed. Editor)

SECULARISM

By

Ms. S. Anwar

##############################

From time to time it is discussed in newspaper as to what Secularism entails. Ultimately, the issue boils down to the very basics—what does "Secularism" really mean.

Historically speaking, it evolved in Europe, defined as "Separation of Church and State"; in more simplified form it is "Separation of Religion and Politics." Now, religion as generally understood is a name given to a phenomenon which blocks revolutions, or for that matter any change, monopolised as it is by priestcraft, symbolising all that is retrogressive, obscurantist and irrational. These priests, rabii, pundits, bhikshus, mullahs—call them by any other name, they all smell just as foul. Why anyone should opt to be a priest is a story by itself, but one thing is for sure: They are supported morally and financially by the vested interests, whatever form these vested interests may take in any given time and space. It is repeatedly the same old story—the story of Pharaoh plus Hamaan combine against Moses (or Jesus, Abraham, Muhammad). When men like Moses triumph and are loved by the people, this fatal combine identifies itself with them, speaking in their terminology and dehumanising the whole process. Then "Service" to humanity becomes "Service" in the Church, whatever that way mean. A very clever strategy indeed!

As such, secularism, a non-religious phenomenon is a welcome development. Anything, but priesthood is welcome. At least it ended the Dark Ages of Europe, brought the human rational faculties into full play and with freedom to research, humans were ready to try and try again.

But the faculties on which secularism is based are limited and hence not perfect. The changes that emerge are no more than the swing of the pendulum, a reaction to a given system towards another. "King's Will" swung towards the "General Will"; private ownership towards nationalisation; again nationalisation towards privatisation; tribalism towards humanism, and again humanism towards geographical and racial nationalism, which is a mere extension of tribalism all over again. If religion caused bloody wars, nation-states caused two world wars; if religion and the Church caused divisions and hatred, nation-states have ended up in Auschwitz Concentration camps and atomic bombing of Nagasaki and Hiroshima. It was well said by a sage that today no one will be provoked to fight back if his religion is attacked and ridiculed (at least, in the West) but criticise his national identity and he will be ready to shed rivers of blood very similar to the religious wars of yore.

So what looks like modernity is no more than scientific and technological development in the world of perceptual knowledge. It is very laudable, but misleading, because as humans we are still fumbling like little children, but without their innocence. So what do we do?

****

and operative lies in the society through the presentation and discussion of their research papers based on the Quran. It will bring to light the problems involved in the deteriorating politico-educational enterprise for leading towards national integration, balanced development of human self and finally suggesting ways and means to improve and develop such a national system of education for this purpose. The scholars present in this Seminar of the Tolu-e-Islam will seek, I fervently hope, neither pomp, nor advantage; and they will look forward to no reward save their obeisance to Allah SWT. This is my wish, my desire, my longing, and a few words to reflect. This is the MESSAGE at this occasion.

****

(This MESSAGE was sent to us by the author at the November Convention. It could not be printed partly because of the pressure on space and partly because it was received rather late. However, the MESSAGE, being Quranic, is eternal, so it goes into print at the earliest opportunity. *Editor*)

CORRECTION AND APOLOGY

Idara Tolu-e-Islam regrets the incorrect reference of the matrimonial address published on page 44 of Tolu-e-Islam Magazine of December 2000. This error has caused profound distress to Mr. Farhat and his family. Idara sincerely apologises for this grave mistake.

The correct reference of the address is as follows.

If out of Pakistan,

CONTACT MR. M.RIAZ C/O M.M. FARHAT
76 Park Rd., Ilford Essex, IGI ISF England.
E-mail: Maqbool.farhat@virgin.net

If in Pakistan,

MR. M.RIAZ C/O IDARA TOLU-E-ISLAM
25-B, Gulberg II, Lahore- Pakistan.
E-mail: Idara@toluislam.com

of thinking. While the second relies for its development on ***aggressive competition***. A Pakistani Institute of Higher Learning ***par excellence*** ought to be free from the vices of both the types; while it should be a beneficiary of the scientific achievements of the West, it should not be immersed in conflict and competition but should utilize them for the benefit of mankind in accordance with the Laws of God as revealed by Him engrafting harmony, concurrence, consonance and concord with the changing nature of the time, place and circumstances. This makes these Institutions today accept this as a challenge of the newly storming knowledge in the present and the future both.

But along with that this must be known that evolutionary changes take place in the outer universe automatically, according to the ***Divine Plan***, and by stages, each involving thousands and thousands of years to accomplish. This is ***cosmic process***. It is only by taking a long term view that we can perceive the trend of a world process. But in case of man this process works in the light of the ***Divine Guidance***, revealed in the Holy Qur'an. Man (and here we mean man not travelling in the light of ***Divine Guidance***) when pressed by circumstances to modify any existing state of affairs, adopts a course which he thinks the best, works on it strenuously day in and day out, but finds at the end that the course adopted was wrong. He abandons it and embarks upon another course. This he has to repeat time and again. Even when he reaches his destination, the labour involved and the time spent is not commensurate with results achieved ---- the span of human life is so short and the distance to be travelled so lengthy ----. This process of 'trial and error' is another form of ***Cosmic Process.*** Man has, however, not been left in wilderness to find his way out, unaided by a Divine Guidance. If he adopts the course suggested by it straightaway, not only is he protected against pilfalls but the time taken to reach the goal also shrinks from ***cosmic reckoning*** to ***human calendar***. In this way Allah's plan and programme is put into action in this world of man through the agency of man himself. This necessitates over-hauling our present education system.

These stark facts in view impelled the writer as Professor teaching in the University to gush forth these few lines for the Internet and Tolu-e-Islam tyros to pause and reflect over these lines. These tyros hopefully will pool their resources at the Seminar Reference is to "Sectarianism & Quran". (dated November 05, 2000) for not only exchanging their views but also laying down together the guidelines of the discipline of education for eliminating friction, and curbing fissiparous tendencies, gut-wrenching hate, rampant corruption

If we work in line with the teachings of the Quran, provide information to the potential users, then the flow of this information, like water, will ultimately find its own level in the minds of the potential users of the spatio-temporal world because the most magnificent is the only fittest to survive: ***"The negative forces, as a result of conflict between truth and falsehood, pass away like scum and that which is beneficial for the mankind remains on the earth" (Al-Qur'an, 13:17) and the system of the universe is a clear proof to show that Allah's plan is to produce positive results. Anything that does not produce such results is eliminated and replaced by another capable of producing constructive results. (Al-Qur'an, 14:19) Fa hal minn muddakarin (Al-Qur'an, 54:15) but is there any that remembreth?***

A thing to ponder over is that when a whole culture matures -as Islamic Culture did after the Muslims became settled in their various domains -the Quranic Teachings give birth to that most precious and most delicate and most fragile and most dear of all institutions **an entity** -where students are made to develop a deep insight for formulating the right solutions to difficulties and problems confronting them, where psychological change inside human beings as considered necessity by the Holy Qur'an, is made absolutely necessary to bring about an external revolution and hence this is the stance where victory is won not in miles but in inches, and ultimately knowledge is not mistaken for wisdom ---- because knowledge helps the people make a '***living***' and wisdom helps make a ***life***.

In Pakistan, the vision of Islam is the life blood of its people and the very business of its various institutions -and universities in particular. But this vision has been beclouded in modern time by another vision, the vision of the West. That alien vision came to us through many intricacies, clandestine mechanisms and colonial ***magogical*** approaches, and continues to be stormed afflicting us with mental confusion and practical chaos.

We should know that the scientific outlook has sunk deep into the modern man during the third quarter of the second millennium and the modern man now speaks the language of science. It is only because we have two types of education imparting institutions functioning in the world particularly the Western. The first is the upholder of the acquisition and development of science with full freedom of expression and thought. The second lays greater emphasis on science and technology (S & T) with maximization of experimentation in these fields. Again the first type opposes commitment in thought to any control point of view and sees in it stagnation

EDUCATION, PAKISTAN AND PROCESS OF CHANGE:

A MESSAGE

By
Prof. Dr. Manzoor-ul-Haque
University of Sindh
Hyderabad, Pakistan

Education for What?

To conquer the forces and resources of nature by the acquisition of adequate knowledge through a well-balanced, elaborate and all-embracing system of education; and to harness human potential and then to utilize external forces in subservience to the Qur'anic values for the benefit of all the mankind. This provides us identity, self-discipline and academic pursuits - all of the highest excellence but our difficulty, without any conspicuous flamboyant grandiloquent style and scintillating phrase, is that we overpower the forces of nature without being able to overwhelm the forces which lie within ourselves.

The outer world is true image of the man's inner self. As long as there is no change in its own inner self, there can be no change in its outer world either: the **CHANGE** in the outer world is the prototype of the **CHANGE** in the inner world. Unfortunately, we try to change the society without first changing the inner self. This places us in a ludicrous situation. The Qur'an considers the psychological change inside human beings absolutely necessary to bring about an external revolution (**Al Qur'an, 13:11**): Nothing can change outside human life, unless totally transformed from within is the rudimentary Qur'anic approach.

But when a nation stops thinking and searching, words and concepts lose their meaning. This process of semantics distorts our vision and world view; we lose the art and awareness of connecting words and concepts and various institutions we live by and consequently we continue to wade through the mire of glaring contradiction smug in self-deception. ***EDUCATION per se*** is such a construct today - not in Pakistan alone but also in the entire globe.

"When the government enforced this law of rajim, it did not say there was any secularism in it. It says secularism is against Islam. For everything, they say 'It is Islamic.'

"Since the majority of people in Pakistan accept these laws [fiqa] as Islamic, the government says they should be accepted as Islamic. The court has said it is not a question of majority or minority. Even if one Muslim *proves* this is against the Quran, it becomes against the Quran. Those who challenged this law in the Shariat court have proved it is against the Quran. That is why the law must be repealed.

"A state can be called Islamic only if it acts according to the Quran. If some higher court says that laws accepted by the majority of the people in this country are Islamic laws, then does this law promulgated by the government become Islamic? If the appeal is successful it will become the law of the land. But it will not be an Islamic law."

Nobody has yet been stoned to death in Pakistan, though there have been floggings aplenty, and President Zia hints that it will never come to that. But as the ageing, ailing Parwez points out, "That is strange, because *if* this is an Islamic state and these *are* Islamic laws, they must be enforced – whatever the consequences."

... A quotation by Hazrat Ali, the Fourth Caliph, son-in-law of the Holy Prophet, it said:

An unIslamic government may last awhile, but tyranny cannot endure.

* * * * * * * * * *

DARS-E-QURAN (IN URDU)

BAZM TOLU-E-ISLAM MANCHESTER (U.K)

EVERY **FRIDAY** FROM **8PM – 9PM**

AT

33 ST. GEORGES ROAD, FALLOWFIELD
MANCHESTER, M14 6SX

DARS-E-QURAN AUDIO AND VIDEO TAPES (URDU) AND ALL THE PUBLICATIONS BY ALLAMA PARWEZ ARE AVAILABLE IN OUR LIBRARY FOR LENDING.

PLEASE CONTACT:- MR. MEHFOOZ (0161 286 5496)
OR MR. R.QURESHI:- TEL & FAX NO. (01565 830278)

"Islam is not a religion. It is a code of life, a system of living. Islam is about the nation of the community: It presupposes the existence of a state.

"What is the authority? It may be the Shariat court, it may be the President of Pakistan, it may be a common man. If we define that, half the problem is solved. If there *is* one common authority, it does not matter what the Shariat court *says* is Islamic, or what *I say* is Islamic. Have you asked this question of the President?

"Thinking based on common sense is very near the Islamic laws. The *authority* is the Quran. It is the only authority: immutable. When one accepts that, one becomes a Muslim, and one remains a Muslim for as long as one accepts it. It is not a question of this view or that view.

"Even in secular laws, when we say something is 'legal' we mean 'It is according to this or that law.' That law must exist. It presupposes the existence of some law which is acceptable to all the parties. So when we talk about Islam – whether in India or Singapore or Pakistan, whether it is an ordinary Muslim or a head of state or a 'divine mullah' – we must say: 'This is the authority.' And the only authority for being Islamic is the Quran.

"It is a perfect authority. No addition or subtraction can be made because, according to the Quran, Allah said it is complete. Nothing against it can constitute an authority for being Islamic. What is not there is not Islam. The Quran says that even the Prophet had not the authority to make any change; the Prophet himself says in the Quran, 'I am not authorized to make any changes.'

"Some people accept authorities other than the Quran. They accept the Traditions of the Prophet, which I call history. Then there is *fiqa* [jurisprudence]. Some jurists, about 1,000 years back, constituted certain laws. They are man-made laws, and the state enforced them at that time as the laws of government. They are not Quranic. Whatever in those laws is according to the Quran we can accept as Islamic *because* they are according to the Quran. If a non-Muslim state makes a law which is according to the Quran, we will say, 'That law is according to the Quran.' If a Muslim state makes a law which is against the Quran, we will not accept it as Islamic.

"No state in the world accepts the Quran as the final and only authority: they all accept these jurists' laws, fiqa, or the Traditions attributed to the Holy Prophet – history! Yet it is possible to have an Islamic state. The Quran is there. Unchanged, immutable, in the same form in which, according to our belief, it was revealed by God, given by the Prophet to the people. Not a single comma therein has been changed.

"The Quran has definitely given the punishment for zinnah [illegal sexual intercourse]: only stripes [lashes]. It is *clearly* given. Rajim is not Quranic.

An Interview with G.A. Parwez

On Islamic Authority and Rajim

By Michael O'Neill

(This interview with G.A. Parwez was published in 1981 in the December edition of Asiaweek.
In the interview Parwez sahib clarifies and emphasizes that the only and final authority in Islam is the Quran, and in this light it ought to be regarded as a common authority among Islamic communities and states. It is an interview with many clear-cut and fascinating observations. Editor.)

...The most controversial specific instance of misdirected "Islamisation" concerns *rajim*, the punishment of stoning to death for illicit sexual intercourse. As part of his Islamisation program, Zia, by President's Order 3 of 1979, amended the Constitution to set up Shariat, or religious, benches in Pakistan's four provincial high courts. Designated justices were both high court judges and members of the Shariat benches until March 1981, when the functions were separated. There is now a federal Shariat court, the provincial versions having been abolished.

Six months ago the Shariat court ruled that the government's 1979 law of *rajim* – stoning to death for offences such as adultery – was not Quranic law and was therefore unIslamic. The Zia Administration is appealing that verdict on the ground that the judges, as the President told *Asiaweek*, "didn't do their homework." Zia, in short, believes that the punishment is Islamic. It is a confusion that in recent months has exercised Muslim minds from West Asia to Southeast Asia, and to get to the bottom of it, *Asiaweek's* O'Neill last week visited Parwez, 78, in his book-lined study in Lahore. This is what Chaudhri Ghulam Ahmad Parwez said:

"The first thing to know, when you call a thing Islamic, is: What is the authority for it? When we say 'This is constitutional,' there is an authority for it – the Constitution. It presupposes the existence of a constitution that forms an authority to say what is constitutional and what is not."

"There must be a common authority for all Muslims. When they call themselves Muslims it means they accept Islam, and if there is one common authority for Islam, then that must be the common authority by which all Muslims decide whether something is Islamic or not – whether it is the law of rajim or some other laws or rules of the state.

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL® AND QUAID-E-AZAM®

R.L.NO.
CPL - 22
VOL : 54
ISSUE
01

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, PAKISTAN
Phone: 5714546, 5753666 Fax: 5866617
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

AMBER®
We are ISO 9001 certified!!

AMBER Range of Products:

Capacitors for Motor Start-Run, Fans, Blowers, Air Conditioners, Fluorescent Lamps, High Pressure/High Intensity Discharge Lamps, and, Power Factor Correction.

CUSTOMER SPECIFICATIONS ARE WELCOME!!

Amber Capacitors Limited
16-Link Mcleod Road, P. O. Box 468,
Lahore, PAKISTAN.

Phone: +92 42 722 5865, 722 6975
Fax: +92 42 723 2807, 586 6617
Web Site: http://ambercaps.com/
Email: amber@ambercaps.com